سُراغِ زندگی

سید ریاض حسین شاہ

سُراغِ زندگی

سیّد ریاض حسین شاہ

ادارہ تعلیمات اسلامیہ خیابان سرسید سیکٹر III راولپنڈی

فون: 051-4831112

بنیادی عقیدہ

☆ اللہ ہمارا رب ہے اور منزہ عن العیوب ہے۔

☆ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور معصوم عن الخطا ہیں۔

☆ قرآن مجید اللہ کی کتاب، ہمارا ضابطہ حیات اور بے عیب کلام ہے۔

انسان خطاؤں اور لغزشوں کا پتلا ہے، اس حیثیت سے بہر حال یہ امکان ہوتا ہے کہ وہ لکھتے ہوئے پھسل جائے۔ دوران مطالعہ اگر آپ اشارۃً یا صراحۃً کسی بھی انداز میں ہمارے درج بالا بنیادی عقائد کو مجروح ہوتا ہوا پائیں تو اس کو ہماری ذاتی کمزوری متصور کرتے ہوئے قلم زد کر دیں۔ ہم اپنی عزت، مقام اور جھوٹی انا کے مقابلے میں ایمان کو بہر صورت ترجیح دیتے ہیں۔

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: سراغ زندگی

مؤلف: سید ریاض حسین شاہ

بار ششم:

تعداد: گیارہ سو

قیمت:

ناشر: ادارہ تعلیمات اسلامیہ خیابان سرسید سیکٹر III راولپنڈی

فون: 051-4831112

حسن ترتیب

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	سجدہ فکر			عبادت کیسے ہو؟	
	ابتدائے کتاب			نماز	
	انسانی تفرد باعتبار تخلیق			زکوۃ	
	انسانی حسن کا ایک عجیب لطیفہ			روزہ	
	انسانی تفرد بلحاظ علم			حج	
	انسانی تفرد بلحاظ بیان			تلاوت قرآن	
	انسانی تفرد بلحاظ عقل وفکر			ذکر اللہ	
	انسانی رہنمائی کے لئے خدا کا ایک			درود شریف	
	اور عطیہ			اکل حلال کا اکتساب	
	ایک سوال؟			حقوق کی ادائیگی	
	انسان کیا کرے؟			توبہ اور طلب مغفرت	
	عبادت کیا ہے؟			نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا	
	عبادت کی روح			جہاد فی سبیل اللہ	
	عبادت کا مکلف کون؟			اقامت دین وحق	
	جن اور انسان کی لغوی تحقیقات			اتباع سنت	
	عبادت اور نظریہ حاکمیت			دعا وطلب	
	عبادت کلید فلاح			آرزوئے عصر	

سجدہ فکر

کتابیں لکھنے والے لوگوں کی اکثر دبی دبی خواہش یہ ہوتی ہے کہ انہیں مستقبل کا مورخ اچھی نظر سے دیکھے۔ ''سراغِ زندگی'' لکھتے ہوئے میری کوشش یہ رہی ہے کہ یہ کتاب مستقبل میں پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے، میری سوچ پر اللہ کی رضا کا جذبہ غالب رہے اگر میں اس میں کامیاب رہا تو یقیناً یہ میری سعادت ہے لیکن اس کا علم اللہ کے پاس ہے اور اگر میں اپنے نفس کو سفلی خواہشات سے بچانے میں ناکام رہا تو ''سراغ زندگی'' لکھ کر مجھ سے حماقت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری حماقتیں مجھے معاف فرمائے۔

''سراغ زندگی'' اپنے دور کے لئے لکھی گئی ہے۔ اللہ کرے کہ اس سے اُمتِ مصطفیٰ ﷺ کو فائدہ پہنچے اور دینی دعوت اور اصلاح عمل کی تحریک عام ہو۔

مطالعہ کتاب کے دوران اگر میری خطائیں کھل جائیں تو قارئین کی دعائے مغفرت سے یقیناً اللہ مجھے معاف فرمادے گا اور سچی بات یہ ہے کہ ''سراغ زندگی'' پڑھنے والوں سے نیک دعاؤں ہی کی امید وابستہ کئے دامنِ حروف سمیٹ رہا ہوں۔

سیّد ریاض حسین شاہ

رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کائناتِ رنگ و بو میں نظر آنے والی ہر شے ایک مقصد کے تحت پیدا کی گئی ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات سب ہی اپنے اپنے دائرہ کار میں ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو رہے ہیں جو فطرت نے ان کے سپرد کی ہیں۔ دریاؤں کی روانی، سمندروں کی ٹھاٹھیں، پربتوں کی رفعت، وادیوں کی وسعت، افلاک کا پھیلاؤ، چٹانوں کا تناؤ، مہر و ماہ کی چمک، ستاروں کی دمک، اختلافِ زمان و مکاں کی نیرنگیاں اور موسموں کے تغیر و تبدل کے پرسرور نظارے جو بھی ہوں کائنات کے تکمیلی پروگرام کی مختلف کڑیاں ہیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر چھوٹی مخلوق بڑی مخلوق کی خدمت میں اپنی پوری صلاحیتیں کھپا رہی ہے۔ جامد اشیاء اگر نباتات کی اور نباتات حیوانات کی خدمات کر رہے ہیں تو حیوانات بھی افضل تخلیق انسانوں کی خدمت میں کمربستہ نظر آتے ہیں۔ یہیں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دنیا کی ہر چیز تخلیقی اعتبار سے ایک مقصد رکھتی ہے اور اس کی تکمیل کے لئے مصروفِ خدمت بھی ہے تو انسان جس کا سر تاجِ کرامت سے اونچا اور بدن حلہ فضیلت سے مزین ہے، کیا تخلیقی مقصد رکھتا ہے؟

دنیا کی کوئی بھی چیز ہو اس کا حقیقی مقصد اس کا صانع اور خالق ہی بہتر جانتا ہے، اس لحاظ سے تخلیقِ انسانیت کے مقاصد کا تعین بھی وہی ذات بہتر طریقے سے کر سکتی ہے جو انسانوں بلکہ جمیع مخلوق کی پیدا کرنے والی ہو۔ ازیں طور اللہ تعالیٰ ہی وہ ذاتِ کریم ہے جو انسانی تخلیق کا مقصد جانتی ہے اور اس کی وضاحت اور صراحت اس نے قرآن حکیم میں صاف طور پر فرما بھی دی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذّٰریٰت:۵۶)

"اور میں نے جن اور انسان نہیں پیدا کیے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

اللہ عزوجل کے اس پاک اور مقدس قول سے پتہ چلا کہ دنیا کی ہر شے انسان کے لئے ہے اور خود انسان خدا کے لئے ہے بلکہ موجودات کا نظم ونسق قائم رکھنے کے لئے اسے یہ شرف اور سعادت بھی حاصل ہے کہ زمین پر خدائے بزرگ وبرتر کی نیابت کا فریضہ سرانجام دے۔

انسان کا وہ دوجہتی تعلق کہ ایک طرف وہ اللہ سبحانہ کے سامنے عبودیت یعنی عاجزی اور انکساری کا مرقع ہو اور دوسری طرف مخلوق پر خدائی نیابت اور خلافت کا مظہر اور حامل ہو اور حیات انسانی کی یہ اہم ذمہ داری اسی صورت میں بدرجہ احسن نبھائی جاسکتی ہے کہ تخلیقی اعتبار ہی سے اسے چند ایسے خصائص عنایت کئے جائیں جن کی اساس اور انفرادی حیثیت کی بناء پر وہ زندگی کا مقصد پورا کر سکے۔

اب سوال یہ ہے کہ انسان کی اس بنیادی ضرورت کو فطرت نے کہاں تک پورا کیا ہے؟ قرآن مجید نے کس احسن انداز میں ان مراحل کا ذکر کیا ہے جن سے گزر کر انسانیت نشوونما پاتی ہے۔

الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ (الاعلیٰ: ۲، ۳)

"جس نے پیدا کیا پھر درست فرمایا اور جس نے ایک ایک چیز کو اندازہ پر رکھ کر پھر رہنمائی فرمائی"۔

ایک دوسرے مقام پر اس مضمون کو یوں بیان کیا گیا:

رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (طٰہٰ: ۵۰)

"ہمارا ربّ وہ ہے جس نے ہر چیز کو وجود عطا فرمایا پھر ہدایت کا بندوبست کیا"۔

اب رہا یہ سوال کہ وہ کون سے خصائص یا عطیاتِ ربّ ذوالجلال ہیں جن کی بناء پر ایک انسان اپنے مقصدِ حیات کی تکمیلی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے یا اسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے استحقاقِ خلافت ہے۔

اختصار کے ساتھ وہ تفردات یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) انسانی تفرد باعتبار تخلیق:

بناوٹ، ساخت، ہیئت اور خلقت کے اعتبار سے آپ دنیا کی کسی بھی مخلوق سے موازنہ کر لیں جو حسن و جمال اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے وہ کسی دوسری مخلوق کے پاس نہیں۔

ہاتھوں سے لے کر پاؤں تک ناخنوں سے لے کر بالوں تک اور چہرے سے لے کر ایک ایک عضو کی بناوٹ تک تخلیق کا وہ نمونہ ہے جو ایک طرف خالق کی کامل توجہ پر دلالت کرتا ہے اور دوسری طرف اس بات کا بھی منہ بولتا ثبوت ہے کہ پھول حسین سہی اور کہکشاں جمیل، مور دلکش سہی اور مچھلی دلفریب، چشمے مست سہی اور دریا مجذوب، ستارے متبسم سہی اور آفتاب قہقہہ زن اور راتیں متانت انگیز سہی اور دن ہنگامہ افزا لیکن حسن و ملاحت، جمال و قرینہ، رنگ و نکھار، انداز و ادا، عصمت و عفت، قد و خد اور بانکپن کی جو دولت انسان کو ملی ہے وہ کسی اور کے پاس نہیں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین: ۴)

"بے شک ہم نے انسان کو بہت ہی خوبصورت معیار پر پیدا کیا ہے"۔

اسی حقیقتِ تسلیمہ کو امام راغب اصفہانی نے ایک مقام پر نکھار کر یوں پیش کیا:

ذالك اشارة الى ماخص به الانسان من بين الحيوان من العقل الفهم وَ انصاب القامة الدالة على استيلائه على كل مافى هذا العالم

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے عقل و شکل، فہم و فراست، ہر اعتبار سے انسانوں کو حیوانات پر فضیلت بخشی، نہ صرف حیوانات پر بلکہ عالم کی ہر چیز پر انسانوں کو کرامت عطا فرمائی۔

صرف یہی نہیں بلکہ جمالِ آدمیت اور حسنِ انسانیت کے جلووں کو صانع اور خلّاق سبحانہٗ کے اس قول کیف آفرین اور کلمہ وجد انگیز " وَ نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُوحِي " نے حیطہ حد و شمار سے ماوریٰ کر دیا ہے۔

انسانی حسن کا ایک عجیب لطیفہ:

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ مشہور عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار میں رہنے والے ایک شخص عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی نے ایک مرتبہ چاندنی رات میں اپنی بیوی سے دل لگی کرتے ہوئے کہہ دیا:

انت طالق ثلاثان لم تکو نی احسن من القمر

''تم پر تین طلاقیں ہیں اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو''۔

بیوی نے جب یہ سنا تو وہ پردہ میں چلی گئی۔ اس پر عیسیٰ بن موسیٰ بہت پریشان ہوئے اور رات بہت غم والم اور حزن وملال میں گزار دی۔ صبح منصور کے دربار میں گئے اور اپنا قصہ سنایا۔ منصور نے فقہائے شہر کو اکٹھا کیا اور مذکورہ واقعہ سنانے کے بعد ان سے فتویٰ طلب کیا۔ سب نے یہی جواب دیا کہ طلاق صحیح ہے۔ اس کے وقوع میں کیا شک کیا جا سکتا ہے مگر ایک عالم جو امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے تھے، اٹھے اور بسم اللہ کے بعد تین مرتبہ پڑھا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

(التین:۴)

''بے شک ہم نے انسان کو بہت ہی خوبصورت معیار پر پیدا کیا ہے''۔

اور پھر کہا کہ کتاب اللہ کے مطابق انسان عوالم کی تمام اشیاء سے زیادہ حسین ہے اس پر فقہا محوِ حیرت ہو گئے اور ابو جعفر نے طلاق واقع نہ ہونے کا فیصلہ سنا دیا۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

(۲) انسانی تفرد بلحاظ علم

پتھر جامد ہیں اور سنگ بے جان، نباتات بے روح ہیں اور حیوانات سرافگندہ جبکہ انسان سمندروں کے دل چیرتا ہے، ستاروں کو زیر کمند لا رہا ہے، یہ اس کا حوصلہ رہا کہ اس کے سامنے بڑی وسعتیں سمٹتی ہیں اور ایٹم کا دل ٹوٹتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ وہ اپنی علمی وسعت کے وسیلہ سے ستاروں سے بھی آگے بڑھنے کے لئے پر تول رہا ہے۔ اس کا نشترِ تحقیق آج کائنات کا دِل چیر رہا ہے۔ مانا کہ اس کے پاس کوئی جام جم نہیں لیکن اس کی تیز نگاہیں زمین سے لے کر آسمان تک ایک ایک چیز کو دیکھ رہی ہیں اور یہ اس کی ہمت اور علم کا نتیجہ ہے کہ مشرق مغرب سے اور شمال جنوب سے گلے مل رہے ہیں۔ زمین آسمان سے اور آسمان زمین سے باتیں کر رہا ہے لیکن یہ کہ اس کی طبع موّاج اور فطرتِ جنون طلب سیر بھی نہیں ہوتی اور ہر دم یہ صدا لگا رہی ہے کہ "ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں"۔

انسان کے پاس معلومات کا جو کچھ اور جتنا بھی ذخیرہ ہے وہ اس کے کسی ذاتی اکتشاف، روحانی عمل یا محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس ذات کی عنایت اور عطا ہے جس نے اس کے سر پر خلافت اور نیابت کا تاج رکھا۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (العلق:۵)

"تعلیم دی اُس نے انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا"۔ پھر فرمایا:

وَیُعَلِّمُکُمْ مَّالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۱۵۱)

"اور سکھاتا ہے تمہیں وہ وہ باتیں جنہیں تم جانتے تک نہ تھے"۔

اسی طرح جب آفرینش آدم کا ذکر کیا تو ارشاد فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا (البقرہ:۳۱)

"اور سکھا دیئے اللہ نے آدم کو سب نام سارے کے سارے"۔

(۳) انسانی تفرد بلحاظ بیان

خدا کی اس زمین پر پھیلے ہوئے تخلیقی سلسلے جہاں رنگ و بو اور خد و شکل میں باعثِ تسکین نظر ہیں وہاں ان سے پیدا ہونے والی آوازیں اور صوتی لہجے بھی دلفریبیوں اور دلکشیوں کے ہزاروں سامان رکھتے ہیں۔ پرندے چہچہاتے ہیں، بلبل محوِ ترنم ہوتا ہے، مینا اور طوطے اپنی زمزمہ سنجیوں سے سحر انگیز ماحول پیدا کرتے ہیں، کبک اور کبوتر اپنی خرام نازی سے شیریں نغمے چھیڑتے ہیں، تیتر سبحان تیری قدرت کی آواز سے کیف پرور سماں باندھتے ہیں۔ جوئباروں کی روانی اور آبشاروں کے گرنے کی آوازیں مغنی کے نغموں اور موسیقی کے ہلکے اور دلکش سُروں کو بھی پیچھے چھوڑتی ہیں۔ تسلیم کیا کہ ان ساری آوازوں میں رومان بھی ہوتا ہے اور دلکشی بھی، رعنائی بھی ہوتی ہے اور نفاست بھی۔ مانا کہ یہ صوتی سلسلے حساس دلوں میں مسرتوں اور خوشیوں کے نغمے بن کر سکون و اطمینان کے مزے پیدا کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ انسان کے اپنے ہی احساس اور فکر کا نتیجہ ہوتا ہے ورنہ یہ سب کچھ مبہم آوازوں کے سوا کچھ نہیں۔

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے انسانوں کو بیان و تکلم کا وہ انداز بخشا کہ مخلوق میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس کے ہنسنے کے انداز میں، اس کے رونے کے طریقے میں، اس کی سروں اور غنا میں اور اس کی زبان و بیان میں معانی اور مطالب کے سمندر موجزن ہوتے ہیں۔ اسی قوت اور تفرد و امتیاز کی طرف ربِّ کائنات نے یوں اشارہ فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمٰن: ۱تا۴)

”رحمتوں والا انتہائی مہربان، تعلیم دی اُس نے قرآن کی، پیدا کیا انسان کو، تعلیم دی اُسے بیان کی“۔

(۴) انسانی تفرد بلحاظ عقل وفکر

کارخانۂ قدرت میں پھیلی ہوئی اشیاء اَن گنت اور بے شمار ہیں لیکن دیکھنے، سننے، سونگھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے صرف حیوانات کو ودیعت فرمائی ہیں اور پھر یہ کہ حیوانات بھی سارے برابر نہیں۔ ان میں انسانوں کو سب پر فضیلت بخشی اور انہیں جہاں اور بہت سے خصائص اور تفردات سے نوازا وہاں عقل وفہم اور سوچ وفکر کی وہ قوتیں اور اہلیتیں بھی عنایت فرمائیں جن کے بل بوتے پر وہ بحر و بر، ارض وسما اور شمس وقمر کو اپنا خادم بنانے کے قابل ہوا۔

مچھلی پانی میں رہتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی کہ پانی اس کے لئے کیوں ضروری ہے۔ پرند وطیور فضا میں محو پرواز ہوتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ ان کا یہ عمل کیسے وقوع پذیر ہوتا ہے، بھینس دودھ دیتی ہے لیکن یہ اس کے علم میں نہیں کہ اس سے حاصل ہونے والے دودھ کے فائدے کیا ہیں؟ شہد کی مکھی محنت شاقہ سے شہد تیار کرتی ہے لیکن یہ نہیں جانتی کہ شہد ہر بیماری کی شفا ہے۔ یہ انسان ہی ہے جو اپنی خرد وعقل کے حوالے سے جہاں اشیاء کے خواص کا علم رکھتا ہے وہاں دنیا میں صادر ہونے والے ہر فعل وعمل کی توضیح وتوجیہہ اور اسرار ورموز سے پوری طرح آگاہ ہے وہ ہر آن اور ہر لحظہ اپنی معلومات کو مختلف انداز میں ترتیب دے کر نئے سے نئے نتائج اخذ کر کے عالم کو ترقی اور عروج کی منزلوں پر ڈال رہا ہے۔

محفلِ ہستی ترے بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کوہسار
تیرے فردوس تخیل سے ہے قدرت کو بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ دار

انسان کے پاس عقل وفکر قدرت کا وہ عطیہ ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے یوں اشارہ

فرمایا:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝٢
إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (الدھر:۲،۳)

"بے شک ہم نے انسان کو ملی ہوئی منی سے پیدا کیا کہ ہم اُس کا امتحان لیں تو اُسے سننے والا دیکھنے والا بنا دیا، بے شک ہم نے اُسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے اور یا پھر ناشکری کرے"۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے ارشاد فرمایا:

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ
(الملک:۲۳)

اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم لوگ کم ہی شکر کرتے ہو"۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ۝٨ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝٩ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ
(البلد:۸،۹،۱۰)

"کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ اور ہم نے اس کی رہنمائی کی بھلائی اور بُرائی کی دونوں راہوں کی"۔

انسانی عقل کا وہ منصب اور مقام جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا اس کی عظمت اور بلندی کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نشہ جس میں انسانی حواس صحیح کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے اس قدر مذموم اور مقبوح سمجھا کہ اس کا ارتکاب کرنے والے کے لئے کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی اور استعمال منشیات کو شریعت میں حرام ٹھہرایا۔ اسی طرح وہ لوگ جو جذبات کے غلام بن کر احساس کی قوتوں کو ختم کر لیتے ہیں اور ان کی عقل مغلوب اور بانجھ بن جاتی ہے انہیں حیوانات سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

انسانی رہنمائی کے لئے خدا کا ایک اور عطیہ

اس سے پہلے انسان کے جتنے بھی تفردات اور خصائص لکھے گئے ان کا تعلق اس کی اپنی ذات ہی سے بنتا ہے۔ انسان کتنا بھی ذہین کیوں نہ ہو اور اس کی عقل کتنی ہی ذکاوت اور فطانت کیوں نہ رکھتی ہو ایک حد ایسی ضرور ہے جہاں پہنچ کر انسانی معلومات کے ذاتی ذرائع اور وسائل درماندہ ہو جاتے ہیں اور انسان دوسری مخلوقات کی طرح اپنے آپ کو بیچارگیوں اور مفلسیوں کی عجیب کش مکش میں مبتلا دیکھتا ہے۔ یہاں اس کے سینے سے آرزوؤں اور تمناؤں کا طوفان اٹھتا ہے کہ وہ جہالت کی جن دبیز تاریکیوں اور اتھاہ گہرائیوں میں کھڑا ہے۔ انہیں علم کے نور سے بدل دیا جائے۔ وہ چار سو ایک تڑپ اور سسک لئے دیکھتا ہے کہ اسے کوئی سہارا مل جائے تا کہ واقعتہً وہ خلافت اور نیابت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے قابل ہو سکے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ سبحانہٗ انبیائے کرام مبعوث فرماتا ہے جو اپنی دیدہ کاری، محنت اور خدا تعلقی کی دولت سے تقدیر انسانیت بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ اور ''نور علیٰ نور'' یہ کہ انبیائے کرام کا تعلق انسانوں ہی سے ہوتا ہے۔

ارشاد رب ذوالجلال ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (یونس:۴۷)

''اور ہر اُمت کے لیے ایک رسول ہے پس جب اُن کا رسول آ گیا تو اُن کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا گیا اور وہ لوگ ظلم نہیں کیے جائیں گے''۔

ایک دوسری جگہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (النحل:۳۶)

''اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا''۔

ایک سوال

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ منفرد نعمتیں اور خصائص اور محاسن و کمالات انسان ہی کو کیوں عطا فرمائے؟ آخر دوسری مخلوقات ان عطیات و نعم میں انسان کے ساتھ شریک کیوں نہیں۔

اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امامت اور خلافت کا عظیم منصب بارگاہ قدس سے انسان ہی کو ملا ہے اور یہی وہ عظیم مخلوق ہے جس کے لئے خداوند قدوس نے زندگی کو امتحان ٹھہرایا اور ظاہر ہے کہ ایک امتحان سے کامیابی اور فائز المرامی سے ہمکنار ہونے کے لئے مذکورہ صدر صلاحیتوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔ جہاں تک دیگر مخلوق و موجود کا تعلق ہے تو وہ سب کچھ درحقیقت انسان ہی کے لئے ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (البقرہ:۲۹)

"وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے پھر توجہ کی آسمان کی طرف تو ٹھیک سات آسمان بنا دیئے"۔

انسان کیا کرے؟

اب تک انسان کے بارے میں دو طرح کی ابحاث ہمارے سامنے آئی ہیں: ایک تو یہ کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ ہے اور اس طرح اس نے عوالم کا نظم و نسق درست رکھنا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ کے دربار میں اس کی حیثیت ایک محتاج انسان کی ہے۔ وہ من کل الوجوہ اور ہر اعتبار سے خدا کے سامنے محکوم و مغلوب ہے اور ساری طاقتیں اور قدرتیں خدا ہی کے لائق ہیں۔

اللہ سبحانہٗ کے ساتھ انسان کے اس دو جہتی تعلق میں توازن اور حسن برقرار رکھنے میں اسے "عبادت" کا مکلف ٹھہرایا گیا۔

اور صاف طور پر یہ کہا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ:۲۱)

''اے لوگو! عبادت اپنے رب کی کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ''۔

☆☆☆☆☆

عبادت کیا ہے؟

جب یہ بات طے ہوگئی کہ انسانی تخلیق کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت ہے تو یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہوگا کہ عبادت کسے کہتے ہیں اور اس کی اکمل صورت کون سی ہوتی ہے۔

امام راغب اصفہانی نے عبادت کا معنیٰ "غایۃ التذلل" لکھا ہے یعنی انتہائی عاجزی اور اس کی مثال سجدہ سے دی جاسکتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عبادت صرف سجدہ پر ہی موقوف ہے۔

عبادت دراصل "عبد" سے ماخوذ ہے جو عربوں کے ہاں ایک پودے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور پودا بھی ایسا جو اپنے اندر اونٹوں کے لئے بڑی جاذبیت اور کشش رکھتا ہے۔ اس کی خاصیت چونکہ گرم ہوتی ہے اس اعتبار سے اونٹ جب اسے کھاتے ہیں تو انہیں شدت سے پیاس محسوس ہوتی ہے۔

لیکن اس کے استعمال سے وہ فربہ بھی ہوتے ہیں اور ان کا دودھ بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس مفہوم کے پیش نظر عبادت سے مراد ایسے امور کا محبت اور محنت سے سرانجام دینا ہوتا ہے جو منفعت کے لحاظ سے بہتر نتائج پیدا کریں، ان کی انجام دہی میں خواہ کتنی ہی مشقت اٹھانی پڑے۔

ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لئے نتیجے کے اعتبار سے وہی امور نافع اور فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں جن کا تقرر خدا اور اس کے حبیب ﷺ کی طرف سے ہو۔ اس لحاظ سے عبادت کتاب و سنت کے سانچے میں ڈھل جانے کا نام ہوگا۔ اسلام میں عبادت کے مفہوم کو کسی ایک شعبۂ زندگی میں مقید نہیں کیا جاسکے گا۔

عربی میں "تعبید" گھوڑے سدھانے اور سڑک ہموار کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر ہے گھوڑے سدھانے کا عمل ہو یا سڑک ٹھیک کرنے کا، اس کے لئے کچھ اصول درکار ہوتے ہیں۔ تعبید کا عمل جس وقت انسانوں پر کارفرما ہوگا تو لامحالہ کچھ اصولوں کی بھی

ضرورت ہوگی، جن کے مطابق ان کے اخلاق واعمال اور نظریات وافکار درست ہوں گے۔

انسانوں کی اس ضرورت کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی قانون سے پورا فرمایا جس کی تفصیلی صورت رسول اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ تعبید اور عبادت کے اس مفہوم کے پیش نظر بھی ایک مسلمان کے لئے یہ ضروری ٹھہرتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں اللہ ہی کی بندگی کرے۔ نماز کے وقت نماز ادا کرے، زکوٰۃ کے وقت زکوٰۃ ادا کرے۔ حج کا تقاضا ہو تو حج کرے۔ دنیاوی لین دین کے معاملات ہوں تو سچائی اور صداقت سے پیش آئے۔ اکتساب رزق کی بات ہو تو امانت کے اصولوں کو فراموش نہ کرے غرض یہ کہ حضور ﷺ کی سنت کا دائرہ اس کی زندگی کے معاملات پر محیط ہو جائے۔

یہاں تک کہ اس کی حیات کا کوئی لمحہ یاد خدا سے غفلت میں نہ گزرے۔ اس کی نگاہ میں جمال کتاب وسنت کے بغیر کوئی چیز نہ جچے۔

اس کا اٹھنا، بیٹھنا اور مرنا جینا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(الانعام: ۱۶۲)

"آپ فرمایئے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری حیات اور میری ممات سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے"۔

عبادت کا یہی وہ مفہوم ہے جو ایک سچے مسلمان کی زندگی میں ہر طرح دیکھا جا سکتا ہے اور جس کی تلقین ہمیں حضور ﷺ کا کردار کرتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عہد کر لیا کہ وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھیں گے اور قیام شب کریں گے، جب حضور ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

"عبداللہ! تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ مہینے میں تین روزے کفایت کرتے ہیں"۔

حضرت قدام بن مظعون ؓ اور ان کے ایک ساتھی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

یارسول ﷺ! ہم نے عمر بھر کے لئے یہ عہد کر لیا ہے کہ ہم میں سے ایک ساری عمر کے لئے مجرد رہے گا اور دوسرا گوشت کبھی نہیں کھائے گا۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمانے لگے:

''میں تو دونوں کام کرتا ہوں''۔

ایک صحابی نے ایک مرتبہ ارادہ کر لیا کہ ہمیشہ عبادت میں محو رہیں گے اور اس غرض کی تکمیل کے لئے انہوں نے اپنی بیوی سے بھی قطع تعلق کر لی، جب حضور ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے انہیں بلا بھیجا اور ارشاد فرمایا:

''تم میرے طریقے سے ہٹ گئے ہو میں تو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں''۔

ان سارے ہی واقعات سے پتہ چلا کہ اسلام میں عبادت کا مفہوم نہایت وسیع ہے۔ کوشش یہ کی جائے کہ زندگی کے کسی بھی معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کا دامن نہ چھوٹنے پائے، یہاں تک کہ دل کی دھڑکن، گلے کا طوق، پاؤں کی زنجیر اور سوچ کا معیار سب کچھ ہی اللہ کی رضا اور حضور ﷺ کی خوشنودی بن جائے۔

یہاں اس اہم بات کا ذکر بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ لوگ جب عبادت کے وسیع تر مفہوم کی طرف لپکے تو اس فلسفیانہ بحث نے انہیں الجھا دیا کہ اسلامی اعمال ونظریات میں کس چیز کو ادنیٰ اور اعلیٰ قرار دیا جائے اور کس چیز کو نصب العین تسلیم کیا جائے۔ اس طرز کی بحث اور فکر نے دینیات کی کسی چیز کو بیش قدر اور کسی کو کم قدر بنا کر ایک عام ذہن کو اضطراب اور تشکیک یا بعض اوقات جدال اور مناظرہ کی دلدل میں دھکیل دیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس خام طرز فکر کی وجہ سے بعض اوقات لوگوں نے ''جہاد'' کو معیار دین

قرار دیا اور اس کے علاوہ اسلام کے دیگر اعمال و معمولات کو چھوٹی سنتیں کہہ کر دین کے بہت سارے حصے کو نا قابل عمل سمجھا۔ اس طرح کچھ لوگوں نے "ذکر اللہ اور معرفت" کو زندگی کی اصل قرار دیا اور تخیلاتی معرفت کے حصول پر شریعت کو "راہ مولوی" قرار دے کر خود پیر ضلال بن بیٹھے۔ درد و محبت اور خدمت خلق کے نام پر ایسے ہی کتنی بار گمراہیاں پھیلیں جن میں حضور ﷺ کی شریعت کے دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی۔

کتاب و سنت کے وسیع مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام میں بذات خود اس طرز کی سوچ قرآنی فکر کے منافی ہے۔ ہمارے دین میں تمام اعمال و نظریات کا آپس میں تعلق ایک جال (NET) کی تاروں کی طرح ہے۔ جن کے ملنے ہی سے جال کا تصور اجاگر ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے کس احسن انداز میں قاری کے لئے اسلام کے تمام افکار و اعمال کو برابری کے ساتھ قبول کرنے کا حکم صادر فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (البقرہ:۲۰۸)

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو"۔

☆☆☆☆☆

عبادت کی روح

عبادت کی روح احسان ہے جس کی تشریح خود حضور ﷺ نے حدیث جبریل علیہ السلام میں ایک سوال کے جواب میں یوں فرمائی:

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

"اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر ایسے نہ ہو تو یہ خیال رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔

عبادت کا مطلب جب زندگی کے ہر شعبے میں خدا کی بندگی اور غلامی ٹھہرا تو اس لحاظ سے عبادت میں احسان کا درجہ تب پیدا ہوگا، جب خدا کی بندگی کرنے والا ہر شخص ہر وقت اللہ کی ذات اور اس کی یاد کو اپنے دل میں رچائے بسائے رکھے اور اس کا کوئی فعل اور عمل ایسا نہ ہو جس میں یاد خدا کا پہلو نمایاں نہ ہو۔ حقیقت میں ایسی ہی عبادت انسان کے نفس کو مہذب بناتی ہے اور اسے اخلاق ذمیمہ ترک کر کے فضائل حمیدہ پیدا کرنے کی راہ پر ڈالتی ہے۔

انسان جب ہر وقت اپنا دھیان اور توجہ اپنے خالق کی طرف رکھتا ہے اور اسی کی یاد میں مستغرق اور منہمک رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کے انوار مسلسل اس کے دل پر پڑتے رہتے ہیں جس سے اس کا باطن مصفّٰی ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ نور خدا کے آئینہ میں جمال محبوب کی زیارت کرنے لگ جاتا ہے۔

مسلمان کا یہی وہ مقام ہے جہاں اسے شعائر اسلامیہ سے والہانہ لگاؤ اور جنون خیز محبت ہو جاتی ہے، اس لئے کہ ان راہوں پر اسے دل کا نور و سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ یہاں اسے اگر کوئی سورج نوچ کر بھی دے دے تو وہ حمایت حق سے باز نہیں رہتا۔

عبادت کا مکلف کون؟

یہ ایک طے شدہ اور مسلمہ حقیقت ہے کہ نظام کائنات کی بقا اس قانون کی رہین منت ہے جو قدرت کی طرف سے حلقۂ موجودات میں ازل سے جاری و ساری ہے۔ اس لحاظ سے عبادت کا تکلیفی دائرہ بھی اتنی ہی وسعت رکھتا ہے جتنی خود کائنات وسعتیں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ نکتہ ہمیں قرآن مجید کی اسی آیت مقدسہ سے ملتا ہے جس میں خود جن و انس کو عبادت کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

(الذّٰریٰت: ۵۶)

"اور میں نے جن اور انسان نہیں پیدا کیے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

یہاں پر "جن اور انس" کا اطلاق دو طرح ہے: ایک لغوی اور دوسرا اصطلاحی۔ "انس" کا معنی انسانوں کی جنس اور "جن" کا معنی جنوں کی جنس سے کیا جائے گا، لیکن جن اور انس کا لغوی اطلاق اگر بدقت نظر تلاش کیا جائے تو عبادت کی اصطلاح کی طرح بذات خود عبادت کا دائرہ تکلیف بھی وسیع ہو جاتا ہے، جس سے قدرت خداوندی کے جاری قانون کی عظمت اور معقولیت کے سامنے ہر کہ ومہ اور مخلوق و موجود کا ہر فرد "طوعاً یا کرھاً" سر تسلیم خم کیے دکھائی دیتا ہے اور جنوں اور انسانوں کے سوا ارضی اور سماوی مخلوقات کا طرز عبادت اور انداز اطاعت انسانی فکر کے لئے چیلنج کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اگر ساری کائنات خدا کے سامنے سر انقیاد جھکا رہی ہے تو جنوں اور انسانوں کو راہ بغاوت اختیار کرنا زیب نہیں دیتا۔ ہمارے اس پیش کردہ نظریہ پر قرآن حکیم کی یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم: ۹۳)

"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب رحمٰن کے حضور سر افگندہ حاضر ہونے والا ہے"۔

جن اور انسان کی لغوی تحقیقات

جَنّ یا جِنّ کا مادہ ''ج،ن،ن'' ہے۔اس کا لغوی معنی چھپا لینا اور پوشیدہ کر دینا ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ (انعام:۷۶)

''اور جب رات ان پر چھا گئی انہوں نے ایک تارا دیکھا کہا یہ میرا رب ہے؟''۔

مذکورہ صدر آیت میں ''جن'' کا لفظ ڈھانپنے اور پوشیدہ کر دینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

وہ بچہ جو ماں کے شکم میں ہو اسے بھی ''جنین'' کہتے ہیں،اس لئے کہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

اسی طرح بچاؤ کے لئے استعمال ہونے والا آلہ ''جنۃ'' کہلاتا ہے۔

بڑی مشہور حدیث ہے ''الصوم جنۃ'' روزہ ڈھال ہے۔

غرض یہ کہ ''جن'' کا لغوی معنی پوشیدہ مخلوق سے کیا جاتا ہے۔جنت کو جنت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آنکھوں سے تا حال پوشیدہ ہے۔مجنون بھی مجنون اسی لئے کہلاتا ہے کہ اس کی عقل پر نا سمجھی کا پردہ پڑ جاتا ہے اور اسی طرح اس ناری مخلوق کو جو مختلف شکلیں دھار لیتی ہے۔جن اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی ہے،جیسے کہ المنجد کے منصف نے اس کی صراحت کی۔

مخلوق مزعوم بین الانس و الارواح سمی بذالك لا استتارہ و اختفائه عن الابصار

یہاں یہ بات ضرور ذہن میں رہے کہ ہم ''جن'' کا لغوی اطلاق پوشیدہ کردن کے مفہوم میں تسلیم کر لینے کے باوجود اصطلاحاً اس ناری مخلوق کو جسے ''جن'' کہا جاتا ہے وجوداً تسلیم کرتے ہیں اور یہ قرائن و شواہد اپنی جگہ موجود ہیں۔

جس طرح ''جن'' کا لغوی معنی پوشیدہ کرنا ہوتا ہے۔اسی طرح انس کا معنی ظاہر کرنے یا ظاہر ہونے سے عربی لغت میں استعمال ہوتا ہے۔اسی مناسبت سے محسوس کرنے اور دیکھنے

کے لئے بھی یہ مادہ استعمال ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں مندرج مفہوم کو اس بات سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا (طٰہٰ:۱۰)

''بے شک میں نے آگ دیکھی یا محسوس کی''۔

''انسان'' آنکھ کی پتلی کو بھی عربی زبان میں کہہ دیتے ہیں۔ درس نظامی کی معرکتہ الاراء کتاب ''کنز الدقائق'' کے دیباچہ میں دنیائے اسلام کے جلیل القدر عالم ابوالبرکات عبداللہ نسفی جنہیں تفسیر مدارک لکھنے کا اعزاز بھی حاصل ہے، علماء کے بارے میں یوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں۔

الذین هم بمنزلة الا انسان للعین و العین للانسان

یعنی علماء معاشرے میں اتنی اہمیت رکھتے ہیں جیسے آنکھ کے لئے پتلی اور انسان کے لئے آنکھ ضروری ہوتی ہے۔

''کنز الدقائق'' کا محشی ''انسان'' کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

هو النور الذی یبصر الا انسان

''انسان آنکھ کے نور کا نام ہے جس سے انسان دیکھتا ہے''۔

بہر حال یہاں بھی ''انس'' کے مادے میں ظہور اور ظاہر ہونے کا مفہوم اجاگر ہوتا ہے۔

اب تک کی بحث سے یہ نتیجہ بخوبی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ''جن'' اور ''انسان'' کے اصطلاحی مفہومات کے علاوہ لغوی تفہیمات بھی قرآن فہمی میں مدد مہیا کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذریت:۵۶)

''اور میں نے جن اور انسان نہیں پیدا کیے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

اس حقیقت کو بھی بخوبی عیاں کرتا ہے کہ عبادت جنوں اور انسانوں ہی کی تخصیص نہیں بلکہ

کائنات میں ڈھکی چھپی اور ظاہر عیاں جو بھی مخلوق ہے، وہ خدا کے سامنے سر عجز جھکانے کے لئے پیدا کی گئی ہے، البتہ انسان اور جن اپنے عقلی تفرد کے باوجود خدا کے سامنے بندگی اختیار نہیں کرتے تو اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ وہ سنگ و شجر سے بھی گئے گزرے ہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۗ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهٰرُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (البقرہ:۷۴)

''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے وہ پتھر ہو گئے ہوں یا پھر اس سے بھی بڑھ کر سخت حالانکہ بعض پتھر بھی ایسے ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور کئی ایسے بھی ان میں ہوتے ہیں جو پھٹیں تو ان سے پانی نکلے اور یقین جانو ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ خوفِ الٰہی سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں رہتا''۔

☆☆☆☆☆

عبادت اور نظریۂ حاکمیت

قرآن مجید میں جا بجا اللہ رب العزت کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا معنی "انتہائی عاجزی" سے کیا جائے یا نفس ایسی سرکش قوت کو کسی قانون کا پابند کر دینے سے کیا جائے۔ بہر حال غلامی اور محکومیت میں آ جانے کا مفہوم اس کے اندر موجود رہتا ہے گویا کہ عبادت اگر ایک طرف ایسے اعمال اختیار کرنے کا نام ہے جن سے نفس کی اصلاح ہو تو دوسری طرف اللہ رب العزت کے قانون کی بالادستی، تغلب اور محض لائق اتباع ہونا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ نظریاتی اور اعتقادی زندگی کا یہی وہ ضروری عنصر ہے جسے تسلیم کئے بغیر خدا کے معبود ہونے کا عقیدہ درست نہیں ہو سکتا۔

اس مقام پر ہم بغیر کسی خوف کے یہ کہنا پسند کریں گے کہ عبادت کا سب سے پہلا جزو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کو حاکم تسلیم کیا جائے اور اس کی حکومت کے سامنے سر اطاعت جھکایا جائے، یہی وہ عظیم و رفیع الشان عبادت تھی جسے بجا لانے کے لئے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرعون کا گلا پکڑنا پڑا، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نمرودی تہذیب کے خلاف تحریک چلانا پڑی۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے باحکمت سفر میں تلخ و ترش حالات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بذات خود حضور ﷺ کو روساء عرب کے خلاف آواز اٹھانی پڑی۔ ان سب ہی پاک اندیش بندوں کی مساعی کا مقصد اس عقیدہ کی بالادستی عملاً تسلیم کروانا تھی کہ:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف:۴۰)

"حکومت کا حق صرف اللہ ہی کے لئے ہے"۔

"حکومت" اور "عبادت" کے اس گہرے تعلق کو قرآن مجید نے مختلف انداز میں بیان فرمایا:

ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

(النحل:۳۶)

"اور ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا کہ وہ دعوت دے کہ عبادت کرو اللہ کی اور سرکش شیطان سے دور رہو"۔

آیت متذکرہ میں "عبادت الٰہیہ" اور "اجتناب من الطاغوت" دو اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ عبادت کا مقصد اپنے آپ کو حکم الٰہی کا پابند بنانا اور اجتناب من الطاغوت کا مطلب سرکش قوتوں سے دور رہنا۔ منطقی اعتبار سے ان دونوں اجزاء کو ملا کر اگر نتیجہ اخذ کیا جائے تو صاف صاف یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ رب العزت ہی کو حاکم تسلیم کیا جائے اور طاغوت کی حکومت تسلیم نہ کی جائے گویا اللہ رب العزت کی حکومت تسلیم کرنا اور "طاغوت" کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔

اس بین حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ

(النساء:۶۰)

"کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو دعویٰ تو یہی رکھتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس پر جو آپ پر نازل ہوا اور آپ سے پہلے اتارا گیا، چاہتے ہیں کہ شیطان سے وہ اپنے فیصلے لیں حالانکہ وہ طاغوت سے انکار کرنے پر مامور ہوئے ہیں"۔

عبادت کو "محکومیت" یا زیر حکومت لانے کے معنوں میں اب رب ذوالجلال سورۂ شعراء میں یوں استعمال فرماتا ہے۔ سیاق کلام یہ ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کو ان کے بچپن کے دور سے متعلق چند احسانات یاد کرواتا ہے جس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الشعراء:۲۲)

"اور یہی وہ نعمت ہے جس کا تو مجھے احسان جتلا رہا ہے یہ کہ تو نے اولادِ یعقوب کو غلامی میں ڈال رکھا ہے"۔

خدا کی حکومت کے علاوہ کسی اور شخص یا نفس، فرد یا جماعت کی حکومت تسلیم کرنا سب سے

بڑا شرک ہے۔ اس حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے حکم اور "عبادت" ہر دو اصطلاحات کے استعمال کے ساتھ ارشاد فرمایا:

وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (الکہف:۲۶)

"اور نہ وہ کسی کو اپنی حکومت میں شریک کرتا ہے"۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکہف:۱۱۰)

"اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہ ٹھہرائے"۔

عبادت اور حکومت کے اس معنوی ربط اور تعلق کو سورۂ یوسف کی اس آیت میں کس خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف:۴۰)

"حکم نہیں مگر اللہ کا اسی نے امر فرمایا کہ عبادت اس کے سوا کسی کی نہ کی جائے یہی دین قیم ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے"۔

لیکن ان سوالات کا جواب اسلام کے نظریہ خلافت سے حاصل کیا جاسکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں اسلامی حکومت انبیاء کرام قائم کریں یا غیر انبیاء ان کی حیثیت اطلاقی نہیں نیابتی ہوتی ہے یہ لوگ خود کسی حکومت کو جنم نہیں دیتے بلکہ یہ حکومت الٰہیہ کے مظہر ہوتے ہیں اور اسی نوعیت کی حکومت کو خلافت عظمیٰ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے گویا اسلام نیابتی امارت (SUBBSIDARY GOVERNMENT) کا تصور پیش کرتا ہے، جو اپنی وسعت کے اعتبار سے امامت کبریٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ بات از حد افسوس ناک ہے کہ اس وقت دنیا میں تقریباً پانچ دہائی ریاستیں مسلمانوں کے زیر تسلط ہیں لیکن حکومت الٰہیہ بصورت خلافت عظمیٰ کہیں بھی قائم نہیں۔ جہاں اسلامی نظام نافذ کرنے کے دعوے ہیں وہاں بھی نظام حکومت آمریت کے اردگرد گھوم رہا ہے۔ گاہے بگاہے

اسلامی حدود اور تعزیرات کے نفاذ سے مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن کسی گاڑی کے لئے خراد کا ایک آدھ پرزہ چھیل دینا کافی نہیں ہوتا، جب تک کہ گاڑی کے تمام پرزے ایک خاص ترتیب سے نہ جوڑے جائیں۔ اسلام تو صرف وہی ہوگا جو خلافت کے سائے میں زندگی کے تمام شعبوں میں صلاح وفلاح کا ایک انقلاب پیدا کردے گا۔

اس دور میں اسلام کے روپ میں مختلف یزیدی فتنے نہ صرف جنم لے رہے ہیں بلکہ بڑی معصومیت کے ساتھ انہیں پروان چڑھانے کی سعی کی جارہی ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے شیطان کی عبادت سے منع کیا ہے جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ حکومت کا حق شیطان کو نہیں بلکہ رحمٰن کو ہے اور رحمٰن ہی کی عبادت کی جائے یعنی صرف اسی کا حکم مانا جائے۔ ارشاررب العزت ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (یٰسین:۶۰،۶۱)

''کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا اے آدم کی اولاد یہ کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور (یہ بھی) کہ بندگی میری ہی کرنا یہی سیدھی راہ ہے''۔

اب تک قرآن حکیم کی جو آیات پیش کی گئیں ان سے بخوبی یہ عیاں ہوتا ہے کہ روئے زمین کی موجودات جہاں تہاں جس صورت میں بھی ہیں ان پر اپنے تمام تر تصرفات اور قانونی اقتدار واختیار کے ساتھ حکومت صرف اللہ کی ہے جو شخص یہ حق اپنی ذات یا جماعت نفس وفکر کے لئے ثابت کرے وہ خدا کا طاغی اور باغی ہے اور اس قابل کہ اس کے خلاف جہاد کیا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ حکومت الٰہیہ کی حیثیت قانونی اعتبار سے کیا ہوتی ہے؟

ان فتنوں کا خاتمہ حسینی بصیرت ہی کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو زندگی کا قیمتی ترین سبق کون سکھائے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف:۴۰)

''حکم نہیں مگر اللہ کا''۔

عبادت کلید فلاح

دنیا امتحان گاہ ہے اور آخرت یوم نتیجہ، لوگ بڑی عجیب ذہنیت کے مالک ہیں کہ جائے آزمائش کو حیات اور حاصل حیات کی کیف بداماں گھڑیوں کو موت تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ اصل حیات ہے۔ حقیقت میں زندگی اور موت کا سلسلہ اس قدر ابہام اور حیرت کے پردوں سے چھپا ہوا ہے کہ آج تک بہت کوشش کے باوجود عقل اور خرد اس کا احاطہ نہیں کر سکی، پس جو کچھ معلوم ہو سکا فقط اتنا ہی ہے کہ زندگی ہو یا موت محض آزمائش اور امتحان کے ذرائع ہیں۔

ارشاد باری ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:۲)

"وہی جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تا کہ تمہارا امتحان لے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے، وہ زبردست اور بخشش فرمانے والا ہے"۔

معلوم ہوا زندگی بہتر عمل کی تلاش کا نام ہے۔ حیات مستعار کی گھڑی گھڑی اور لحہ لحہ کے ساتھ ایک امتحان بندھا ہوا ہے اور اس ابتلائے حیات کا نصاب یہ ہے کہ انسان خداوند قدوس کا یہ ارشاد سمجھے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذٰریٰت:۵۶)

"اور میں نے جن اور انسان نہیں پیدا کیے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

اور اس طرح اپنی زندگی کی ایک ایک ساعت عبادت بنا دے اور یاد رہے کہ زندگی کے امتحان میں فوز و فلاح صرف اسی میں مضمر ہے کہ آدمی خدا کے سامنے عجز و نیاز مندی اور انکساری و بندگی کا مرقع بن جائے۔ زندگی کے اسی مایہ فلاح کی طرف قرآن حکیم نے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا:

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (الحجر:۹۹)

"اور اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ وصال کے لمحے آ پہنچیں"۔

عبادت کیسے ہو؟

عبادت وسعت معنوی کے اعتبار سے اگرچہ پوری زندگی پر محیط ہوتی ہے لیکن حیات مستعار کی ایک ایک گھڑی کو سراسر عبادت بنانے کے لئے شارع نے کچھ ایسی مخصوص عبادتیں بھی فرض کیں جنہیں بروئے عمل لانے سے مقصد حیات کی تکمیل آسان ہو جاتی ہے۔

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اسلامی عبادات کے مقرر طریقے صرف نماز اور روزے پر ہی موقوف نہیں، بلکہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے "اربعین" میں ان کی تعداد دس تک لکھی اور بعض بزرگوں نے اس تعداد میں اضافہ بھی کیا ہے۔

۱۔نماز	۲۔زکوٰۃ
۳۔روزہ	۴۔حج
۵۔تلاوت قرآن مجید	۶۔دائمی ذکر اللہ
۷۔درود شریف	۸۔اکل حلال کا اکتساب
۹۔حقوق کی ادائیگی	۱۰۔گناہوں سے توبہ
۱۱۔نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا	۱۲۔جہاد
۱۳۔اقامت حق ودین	۱۴۔اتباع سنت نبوی
۱۵۔دعاوطلب	

یہ ہیں وہ فرائض واعمال جن کا ایک مسلمان کی زندگی میں ہونا اشد ضروری ہے گویا یہ وہ ستون ہیں جن سے اسلامی شریعت کی مطلوبہ عمارت مکمل ہوتی ہے۔ان میں سے کسی ایک کا ترک کر دینا بھی دین میں نقصان اور خسارے کا موجب بن جاتا ہے۔

اب ہم بقدر ضرورت ہر ایک کی مختصر تشریح پیش کرتے ہیں۔

نماز

وہ امور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لئے لازم قرار دیئے ہیں ان میں سے اہم ترین نماز کا قیام ہے۔ نماز دن میں پانچ وقت اپنی زبان اور عمل سے اپنے اس عہد کا اعادہ اور تجدید کرنا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی وحدانیت اور الوہیت اور رسول کریم ﷺ کی رسالت کا اقرار شامل ہوتا ہے۔

نماز میں کبھی سجدہ کیا جاتا ہے اور کبھی قیام، کبھی ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں اور کبھی باندھ لئے جاتے ہیں۔ یہ ساری ہی چیزیں درحقیقت اللہ کے قادر، مالک، خالق اور بندے کے محتاج اور عاجز ہونے کا اعلان ہوتی ہیں۔ نماز میں بندگی بجالانے والا شخص خدا اور اس کے رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کا اعلان کرتا ہے۔ وہ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کر کے اس کتاب کے سچے اٹل اور ابدی ہونے کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اپنے عمل نماز سے اپنے اس عزم کو بھی پختہ کرتا ہے کہ وہ وقت پڑنے پر کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔

نمازی عبادت کرتے ہوئے کوئی فعل اپنی مرضی سے نہیں کرتا بلکہ ایک ایک عمل میں حضور ﷺ کی اطاعت کرتا ہے تا کہ پتا چل جائے کہ مسلمان کی زندگی اپنے لئے نہیں خدا کے لئے ہوتی ہے۔ اس طرح باجماعت نماز مسلمانوں کی اجتماعیت کی درستگی کا ایک اہتمام اور ساتھ ہی باطل اور کفر کے خلاف جہاد کا ایک تربیتی عمل ہوتا ہے۔ نماز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مسلمان کے لئے معراج قرار دیا اس لئے کہ نماز کے اندر اس عبات کو بجالانے والا اللہ تعالیٰ کا قرب اور حضوری محسوس کرتا ہے اور اس کی آنکھیں نور خدا سے طمانیت حاصل کرتی ہیں اور اس کا دل دیدۂ لقا کے سکون سے بہرہ ور ہوتا ہے اور ایک خالص عبادت کا تصور بھی یہی ہوتا ہے۔

آدمی دید است باقی پوست است
دیدآں باشد کہ دید دوست است

جملہ تن را درگزر اندر اجر

در نظر رو در نظر رو در نظر

اس کے علاوہ اپنے اور پرائے میں پرکھ کا کام بھی دیتی ہے۔ وہ لوگ جو حضور ﷺ کے سچے عاشق ہوں اور علیٰ وجہ البصیرت آپ کا دین قبول کر چکے ہوں، وہ نماز چھوڑ کر حضور ﷺ کے اعتماد کو مجروح نہیں کرتے اور اس کے برعکس وہ لوگ جو اپنے دعووں میں جھوٹے ہوتے ہیں وہ نماز کا قائم کرنا اتنا ضروری نہیں سمجھتے اور صحیح بات یہ ہے کہ ایسے لوگ دین اسلام کے بارے میں اتنے مخلص بھی نہیں ہوتے۔

بے نماز شخص پر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ بہت ناراض ہوتے ہیں۔ ایک حدیث شریف کے مطابق بے نماز آدمی کی عمر میں برکت نہیں ہوتی، اس کی دعا مقبول نہیں ہوتی، اس کے کسی عمل پر اللہ تعالیٰ اجر نہیں دیتے اور اس کی موت، بھوک، پیاس اور ذلت کی حالت میں آتی ہے۔

بے نماز آدمی کی قبر موت کے بعد تنگ کر دی جاتی ہے اور اللہ جل جلالہٗ ناراض ہو کر ایسے شخص کی قبر میں آگ بھر دیتے ہیں اور نماز ضائع کرنے کی پاداش میں ایسے شخص پر ایک اژدھا مسلط کر دیا جاتا ہے۔

قیامت کے دن بے نمازی سے حساب شدت اور غضب کے ساتھ لیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے چہرے سے گوشت کے ٹکڑے گر رہے ہوں گے اور اس طرح خاسر اور روسیاہ کر کے اسے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

اس کے برعکس وہ لوگ جو رضائے خدا کے لئے نماز قائم کرتے ہیں۔ اللہ کا خوف ان پر ہر وقت طاری رہتا ہے۔ انہیں اللہ کی رضا اور خوشنودی کی دولت میسر آتی ہے۔ ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں اور قیامت کے دن ان کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ خوشی خوشی چمکتے چہروں کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز سے اس قدر شغف تھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ

حضرت عمرؓ کو جب نماز میں زخم پہنچا تو بعد والی صبح کو جب لوگوں نے آپ کو جگایا تو آپ ارشاد فرمانے لگے کہ:

''جو شخص نماز ترک کرے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں''۔

پھر اس حالت میں نماز پڑھی کے زخم سے خون جاری تھا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما تو ساری ساری رات نماز تہجد میں گزار دیتے تھے۔ حضرت انسؓ نماز پڑھتے تو سجدوں میں اتنی دیر لگاتے کہ لوگ سمجھتے کہ شاید آپ بھول گئے ہوں۔ حضرت امام حسینؓ کی تو شہادت ہی حالت سجدہ میں ہوئی۔ حضرت علیؓ کا نماز کے اندر پنڈلی سے تیر نکالنے کا واقعہ تو مشہور ہے۔ حضرت طلحہ انصاریؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ اپنے باغ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ سامنے سے چڑیا چہچہاتے ہوئے گزری، تھوڑی دیر کے لئے خیال ادھر ادھر گیا، جب نماز کا دھیان ہوا تو سارا باغ راہ خدا میں نذر کر دیا کہ اس کی وجہ سے نماز میں فتنہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

زکوٰۃ

مادیت اور مادہ پرستی روحانیت کی دشمن ہے۔ وہ لوگ جو زر اور دولت ہی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں، وہ خدا کی حقیقی معرفت کسی صورت میں بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ ایک سچا اور صاحب صدق شخص جس کا تعلق خداوند قدوس سے طالب اور مطلوب کا ہوتا ہے وہ دل و جان سے اپنے محبوب پر فدا ہوتا ہے، وہ اپنا مال اور زر بصد شوق اور بہزار نیاز اللہ کی راہ میں قربان کرتا ہے۔

اسلام تو محبتوں اور قربانیوں کا دین ہے۔ یہاں صرف وہی آدمی پوری طرح چل سکتا ہے جس نے دل سلگنے، جان تڑپنے اور دماغ سوزش کے لئے تیار کر لیا ہو۔ وہ لوگ جو دل و جان سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں، حقیقت میں وہ اپنے مالوں اور جانوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے سودا کر لیتے ہیں۔ اسی عقیدہ کی برکت ہے کہ انہیں مال اور جان اللہ کی راہ میں کھپاتے ہوئے تکلیف نہیں ہوتی۔

زکوٰۃ اسلامی عبادت کا دوسرا رکن ہے۔ اس سے انسانوں کے درمیان ہمدردی اور ایک دوسرے سے مفاہمت اور امداد کا اہتمام ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے مال و زر کا ایک مخصوص حصہ ہر سال گزرنے پر غریبوں، مسکینوں، محتاجوں، مفلسوں، مسافروں اور قرضدار لوگوں کے درمیان تقسیم کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کا دین صرف غم ذات نہیں سکھاتا، بلکہ غم انسانیت کا سبق بھی دیتا ہے۔

حضور ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

لا یو من احد کم حتی یحب لا خیہ ما یحب لنفسہ

(بخاری شریف)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔

زکوٰۃ اگر ایک طرف مسلمان کے اخلاص، خدا پرستی اور انسانوں کی خیر خواہی پر دلالت

کرتی ہے تو دوسری طرف کئی ایک قسم کے کالے معاشی دھندوں کا بھی خاتمہ کرتی ہے۔اس سے جہاں ذخیرہ اندوزی کا رجحان ختم ہوتا ہے وہاں اغنیاء کی دولت ضرورت مند لوگوں کے درمیان بٹتی ہے جس سے امیروں اور غریبوں کے درمیان معاشی اور اقتصادی توازن اور اعتدال کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

زکوٰۃ کی ادائیگی سے خودغرضی، تنگدلی، حرص اور مادہ پرستی ایسی مذموم خصلتیں مردہ پڑتی ہیں اور ایثار، مواخات، مروت اور غریب پروری جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں اور یہی چیزیں کسی معاشرہ کی طہارت اور تزکیہ کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔

حربی اور جنگی نقطۂ نظر سے زکوٰۃ مسلمان کی تربیت بھی کرتی ہے یہ کہ دین حق کو جب بھی مالی قربانی کی ضرورت پڑے گی تو وہ مال کی تجوری پر سانپ بن کر نہیں بیٹھا رہے گا بلکہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان بھی کرے گا۔

ایک ایسا شخص جو سال بھر میں ہر چالیس روپے پر ایک روپیہ خدا کی راہ میں نہیں خرچ کر سکتا اس سے کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ مشکل وقت پڑنے پر نظام مصطفیٰ ﷺ کے لئے قربانی دے گا، آج تو حالت یہ ہے کہ چمڑی جائے دمڑی نہ جائے۔

وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”قیامت کے دن ان کا مال ایک سانپ کی شکل میں لایا جائے گا جس کی دو زبانیں ہوں گی اور پھر لا کے ان کی گردن میں ڈال دیا جائے گا جو انہیں دونوں جبڑوں میں لے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا مال ہوں اور میں تمہارا خزانہ ہوں“۔

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جب میری امت میں تیرہ خصلتیں پیدا ہو جائیں گی تو اس پر مصائب کا نزول شروع ہو جائے گا“۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ”جس وقت میری اُمت کے لوگوں میں یہ خصلتیں پیدا ہو جائیں تو انہیں زلزلے، سرخ آندھی، دھنسنے اور مسخ ہونے کا انتظار کرنا چاہئے“۔

حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی خصلتیں ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"جب مال غنیمت لوٹ کا مال بن جائے

امانت مال غنیمت سمجھی جانے لگے

زکوٰۃ، تاوان اور چٹی محسوس ہو

خاوند بیوی کا فرمانبردار ہو جائے اور والدہ کی نافرمانی کرنے لگے

دوستوں کو قریب کیا جائے اور والد کو دور

مساجد میں غل غپاڑہ ہو

رذیل لوگ سردار بن جائیں

آدمی کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لئے ہو

نشہ آور اشیاء کا کھلم کھلا استعمال ہو

مرد ریشم پہننے لگ جائیں

آلات موسیقی عام ہو جائیں

گانے والی لڑکیاں فراہم کی جانے لگیں

پہلے لوگوں پر زبان طعن دراز کی جانے لگے"۔

(ترمذی شریف)

☆☆☆☆☆

روزہ

انسانی وجود کے اندر دو قسم کی قوتیں کارفرما ہیں۔ ملکوتی اور بہیمی۔ ان میں سے ہر ایک کی ترقی دوسری کے تنزل کی وجہ بن جاتی ہے۔ اسلام جسے دین فطرت ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ اپنے قوانین اور اصولوں کے اعتبار سے ملکوتی قوتوں کے ارتقاء اور عروج کی ضمانت مہیا کرتا ہے اور اگر یکسوئی اور لگن سے اس کے احکام پر عمل کیا جائے تو حیوانی، شہوانی اور بہیمی قوتیں خود بخود مردہ ہونے لگ جاتی ہیں اور انسان کی اصل شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور لحہ بہ لحہ انسان، انسان مرتضی ہونے کا شرف حاصل کر لیتا ہے۔

اسلامی عبادات کے دو طریقے جن سے راحت و سرور کی انتہائی منزلوں تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے ان میں سے ایک روزہ بھی ہے، جس سے روح اور انسانی ذات کی فکری صلاحیتیں روبعروج ہوتی ہیں اور نفسانی غلاظتیں اور گندگیاں، خباثتیں اور کثافتیں اور دنیاوی آلودگیاں اور آلائشیں ختم ہو جاتی ہیں۔ روزہ کی ان ہی صفات کی وجہ سے قرآن مجید نے اسے تقویٰ پیدا کرنے کی بنیاد قرار دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ:۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جیسے کہ فرض کئے گئے تم سے پہلے لوگوں پر ان کی فرضیت تمہیں پرہیزگار بنانے کے لئے ہے"۔

روزہ کی حالت میں صرف جنسی میل ملاپ اور شہوانی رجحان سے ہی اجتناب نہیں برتا جاتا بلکہ جھوٹ، غیبت، چغلی، بدکاری، حرص و ہوا، ایذا رسانی اور گالی گلوچ سبھی قسم کی غلط باتوں سے بچا جاتا ہے اور روزہ کا حقیقی مقصد بھی یہی ہے کہ انسان مادی لذائذ اور غلاظ اور روحانی معائب

اور مضرات سے کلیتہً اجتناب برت کر قرب خداوندی کے حصول کے لئے اسی کی جانب یکسوئی اختیار کرے۔ گویا کہ روزوں کے زمانہ کو روحانی لطافتوں اور نیکیوں کا موسم بہار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اسلام کی باقی عبادات کی طرح روزہ عزم و ہمت، جان نثاری، فداکاری، قربانی اور ایثار کے جذبات پیدا کرتا ہے اور عملی طور پر لوگوں کی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تربیت کرتا ہے اور ایک مومن کی زندگی کا حقیقی مقصد بھی یہی ہے کہ وہ مٹ جائے لیکن دین کا حکم اونچا ہو جائے۔

معاشرتی لحاظ سے روزہ غریب، اپاہج، بے کس اور نادار لوگوں کی تکالیف کا احساس پیدا کرتا ہے اور یہی احساس بعد میں مواخات اور مروت میں ڈھل کر معاشرے کے لئے زندگی کی اساس فراہم کرتا ہے۔

روزہ کی انہی گوناں گوں صفات کی بناء پر اللہ تعالیٰ اپنے روزہ دار بندوں سے کہتا ہے کہ ''الصوم لی و انا اجزی به'' روزہ میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دیتا ہوں یا میں خود ہی اس کی جزا بن جاتا ہوں۔

روزہ کی ان ہی مثمرات کی وجہ سے بزرگان دین ہمیشہ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق روزہ سے رہتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اپنی عمر کے سالہا سال روزہ رکھ کے گزارے۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے کہ ''مجھے جو کچھ ملا بھوک اور روزے سے ملا''۔

وہ لوگ جو رمضان شریف میں روزہ نہیں رکھتے اور کھلم کھلا اس مقدس ماہ کی بے حرمتی کرتے ہیں حقیقت میں وہ خدا اور اس کے حبیب ﷺ کی ناراضگی مول لیتے ہیں اور اس بات کا ثبوت بھی فراہم کرتے ہیں کہ ان کا مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اس لئے کہ اگر تعلق ہوتا تو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام و فرامین کی اطاعت اور اتباع کی جاتی۔

حج

بیماری بذات خود درد و مصیبت کا ایک طوفان لئے ہوئے ہوتی ہے، لیکن اگر بیمار کو یہ کہہ دیا جائے کہ تیری بیماری لاعلاج ہے تو اس کے کرب والم میں جان لیوا اضافہ ہو جاتا ہے۔ محبت جو انسانی فطرت کا ایک جزو ہے، درد ضرور ہے لیکن لادوا نہیں، اضطراب ضرور ہے لیکن الم جان کش نہیں بلکہ محبت و عشق زندگی کا وہ جوہر حقیقی ہے جس کے وسیلے سے شاہین صفت انسان عرش معلیٰ کو اپنا نشیمن بنانے کی سوچ رہے ہیں اور اس طرف ہر دم اور ہر لحظہ ان کی لاہوتی پرواز جاری اور ساری ہے۔

یہ محبت اور عشق ہی کا اعجاز سمجھئے کہ ہر زمانے کا انسان خدا کا متلاشی رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی آگ کے سامنے جھکا، کسی نے اصنام کے سامنے ناصیہ فرسائی کی اور کوئی چاند تاروں کو پوج کر جادۂ حق سے دور رہتا ہے اور دوسری طرف وابستگان انبیاء جن کے لئے حقیقت سے تمام حجابات اٹھا دیئے گئے، وہ ایسے خدا آشنا ہوئے کہ معرفت حق کی دھن میں انہیں دنیا کی خبر بھی نہ رہی۔ لا الہ کے بعد الا اللہ کے اثبات نے وہ مزہ دیا کہ ان کے لئے تمام کثرتیں وحدت میں کھو گئیں اور پھر انہوں نے ایک ہی کو سمجھا، ایک ہی کو دیکھا، ایک ہی کے سامنے سر جھکا دیا اور پھر اس ایک ہی کی تلاش میں اپنی زندگیاں تج کر دیں۔

کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تیری اگر
ہر راہگزر میں نقش کف پائے یار دیکھ

حج کیا ہے؟ بس مومن کے اسی ذوق و شوق کی مکمل فرمانروائی کا ایک اعلان اور ایک ثبوت۔ اللہ کی محبت اور عشق میں غریق بندۂ خدا جونہی احرام حج باندھتا ہے وہ عقلیت، مادیت اور نفسانیت کے خلاف اعلان بغاوت کر دیتا ہے۔ وہ دنیاوی اطاعتوں کے کمزور اور لافانی محلات کو مسمار کر کے ایک ہی اطاعت اور ایک ہی اتباع کا اعلان کرتا ہے کہ وہ بندگی خدا کرے گا اور غلامی

مصطفیٰ ﷺ کرے گا۔ دیارِ حرم میں افتاں و خیزاں پہنچنے والا وہ مردِ صادق جو حج کا ارادہ کئے ہوئے ہوتا ہے، کبھی کعبہ کا طواف کرتا ہے اور کبھی صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے، کبھی جمرات کو کنکر مارتا ہے اور منیٰ سے عرفات اور پھر عرفات سے مزدلفہ جہاں تہاں اپنا بوجھ کندھوں پر اٹھائے رندانہ اور قلندرانہ انداز میں گھوم پھر کر جہاں محبوب کو راضی کرتا ہے وہاں اہل باطل کو یہ ثبوت بھی فراہم کرتا ہے کہ مومن کے لئے تکلیف برداشت کرنا، مصیبت جھیلنا اور قربانی دینا کوئی مشکل امر نہیں، مسلمان اپنی ذات کے لئے نہیں صحیح فکرِ حیات کے لئے زندہ رہتا ہے۔ اس راہ میں اسے اپنی اولاد و اموال بھی قربان کرنا پڑیں تو وہ کوئی دشواری محسوس نہیں کرتا۔ اگر نہیں مانتے تو دیکھ لو میدان عرفات میں کھڑے یہ دیوانے تم سے اپنے اعمال اور عزائم کی زبان میں کیا کہہ رہے ہیں۔

ایک طرف جذبات محبت کی یہ طوفان انگیزیاں اور تلاطم خیزیاں اور دوسری طرف نظم و ضبط کا یہ عالم کہ اتنے بڑے اجتماع میں نہ خونریزی، نہ بدکاری، نہ بدکلامی اور نہ ہی خواہشات کی اتباع، ایک ایک شخص خدا کے سامنے عاجزی، انکساری اور نیازمندی کا پیکر بنے ہوئے کھڑا ہے اور بس ایک ہی صدا ہے اور ایک ہی اقرار اور تڑپ۔

لبیك اللهم لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد و النعمة لك والملك لا شریك لك

"میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں، بے شک ساری ہی تعریفیں اور نعمتیں تجھے ہی سزاوار ہیں اور حکومت اور بادشاہت بھی، تیرا کوئی شریک نہیں"۔

حج اگرچہ زندگی میں ایک ہی دفعہ فرض ہے مگر اس کی یادیں ہمیشہ نظریات کو صاف، نفس کو طاہر اور خواہشات کو پاکیزہ بناتی رہتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"جس شخص نے حج کیا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر کے اسے یوں کر دیتا

ہے جیسے کہ نومولود بچہ گناہوں سے محفوظ ہوتا ہے"۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے حج کو ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کے بعد افضل ترین عمل قرار دیا۔

حجاج کرام کا ایک اور شوق جو انہیں آغاز سفر ہی سے بے قرار رکھتا ہے وہ روضۂ رسول ﷺ کی زیارت ہے۔ اس مقدس سفر کے لاحقے اور سابقے میں عشاق مصطفےٰ کریم ﷺ کے دربار میں پیش ہو کر بصد نیاز صلوٰۃ وسلام کے ہدیے پیش کرتے ہیں۔

وہ سرزمین جسے اسلام کی اُم ہونے کا شرف حاصل ہے اور جس کی فردوس نظیر خاک میں محبوب خدا ﷺ آرام فرما رہے ہیں، جب زائر کے سامنے آتی ہے تو ماضی کا ایک ایک لمحہ اس کے سینے میں یوں پیوست ہوتا چلا جاتا ہے جیسے کسی مہ جبین کے ناز و ادا کسی شاعر کے تخیل میں اترتے چلے جاتے ہیں اور پھر زمانہ سمٹ کر "والعصر" بن جاتا ہے۔ زمانہ نور و ضیا کا وہ آئینہ جس میں طالب حسن اور مطلوب جمال کو رسول ﷺ کی زیارت ہونے لگتی ہے اور پھر بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے:

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من حج البیت و لم یزرنی فقد جفانی (وفاء الوفا)

"جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا"۔

☆☆☆☆☆

تلاوت قرآن

اسلام ایسا دین ہے جس میں کتاب زندگی کا کوئی ورق عبادت کے تصور سے خالی نہیں ہوتا۔ قلب وجگر پر توحید کا نقش بیٹھ جائے تو اٹھنا بیٹھنا اور چلت پھرت سبھی کچھ عبودیت کا رنگ لے لیتا ہے۔ ظاہر و باطن پر جب آثار محبت مرتسم ہوتے ہیں تو چاہنے والے صرف محبوب ہی نہیں بلکہ شہر محبوب کے ذرے ذرے اور کوچۂ جاناں کے خس وخاشاک پر بھی جانیں چھڑک دیتے ہیں۔

قرآن صرف کلام ہی نہیں بلکہ جانان کائنات کی صفت قدیم ہے، اسے صرف حروف کا مجموعہ نہ سمجھا جائے بلکہ یہ تو کوچۂ دلبر کی صدائے کیف آفریں ہے۔ کبھی لوگ حضور ﷺ کے جمال قلوب پرور کو دیکھتے تو قرآن کا مزہ ملتا تھا۔ آج ہم قرآن کو دیکھتے ہیں تو حسن مصطفےٰ ﷺ کے جلوے اندھیر دلوں میں نور ونکہت کا سماں باندھ دیتے ہیں۔

وہ شخص جسے حضور ﷺ سے صحیح عشق ہو اسے آئینہ قرآن دیکھنا چاہیے۔ بے ادبی کا ڈر نہ ہوتا تو اسے جام جم کہتا کہ دیکھنے والے اس میں کائنات دیکھ لیتے ہیں، نہ صرف کائنات بلکہ نقاب الٹو تو خالق کائنات بھی نظر آجاتا ہے۔ چونکہ وہ مشخصات سے نظر نہیں آتا، اس لئے کیفیتیں ہی رہتی ہیں اور اموال اموال ہی۔

یہی وہ قرآن ہے جسے رسول رحمت ﷺ ساری ساری رات پڑھتے۔ صحابہ اسی کا ذوق لئے سجادوں پر کھڑے ہوتے تو راتیں گزر جاتیں۔ غلامان رسول ﷺ اس کا درد لئے دیاروں کو الٹتے پلٹتے پارہ نظر رہتے۔ یہی وہ کتاب ہے جس کی مترنم سجدوں، لذت آور سروں اور انقلاب انگیز لہجوں نے زمانے کے دوش پر بدلتے لیل ونہار کو حق آگاہ رکھا۔ آؤ اس کے حرف حرف کو چومو، اس کے لفظ لفظ کو بوسہ دو اور اس کائنات جنوں میں داخل ہو جاؤ جس میں صدیق سے عمر تک عثمان سے علی تک حسن سے حسین ﷺ تک اور عائشہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہما تک سبھی مجذوب قرآن دکھائی دیتے ہیں۔ اے قرآن! تیرے خط خط اور بول بول پر میری روح وجان تصدق، تو نے حسن کو

ادائیں بخشیں اور اداؤں کو دلفریبی دی، تو نے عقل کو عشق کے قرینے دیئے اور عشق کو عقل کا سلیقہ بخشا۔

اس کتاب منیر اور ذکر مبین کا یہ خاصہ ہے کہ یہ خود ہی عظیم نہیں بلکہ جو اس کی خدمت کرے یہ اسے بھی عظیم و رفیع بنا دیتی ہے۔ حضور ﷺ کے اس قول میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا:

خیر کم من تعلم القرآن و علمه (بخاری شریف)

"تم میں بہتر شخص وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور سکھائے"۔

حضرت ابو سعید ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "حق سبحانہ کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن مجید کے ساتھ مشغول رہنے کی مصروفیت نے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے سے روکے رکھا اسے دعائیں مانگنے والوں سے بہتر عطا کیا جاتا ہے"۔

قرآن مجید کی فضیلت باقی کتابوں پر ایسے ہی ہے جیسے حق تعالیٰ سبحانہٗ کی مخلوق پر ہے۔

دارمی کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"قرآن مجید کو اگر چمڑے میں رکھا جائے اور پھر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے تو وہ جلے گا نہیں یعنی جس سینے میں قرآن مجید آ گیا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ میں جلائے گا نہیں"۔

حضرت علی ؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا جاتا ہے کہ:

"جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور یاد کیا اور پھر اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام تو اللہ جل شانہٗ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے گھر والوں میں سے ان دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت فرمائیں گے جن پر جہنم واجب ہو گی"۔ (ابن ماجہ)

ذکر اللہ

عبادت کی روح محبت ہوتی ہے اور محبت کی اصل یاد۔

کتنا مشہور مقولہ ہے کہ:

"جب کوئی شخص کسی سے محبت رکھتا ہے تو اکثر ذکر اسی کا کرتا ہے"۔

مومن چونکہ اللہ ہی کو اللہ سمجھتا ہے یعنی دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر اسی کو اپنا مقصود نظر اور مطلوب قلب و جگر تصور کرتا ہے، بایں معنی انکی محبت و مودّت کا محور بھی وہی ذات ٹھہرتی ہے۔ فطری بات ہے جب محبت اللہ سے ہوتی ہے تو ذکر الٰہی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، جب عاجزی اور ناتوانی کا پیکر لازمان و بے مکان ذات سے آنکھ لڑا لیتا ہے تو اس طرف سے بھی رحمتیں استقبال کیلئے بڑھتی ہیں۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (البقرہ:۱۵۲)

"تو خوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا"۔

کتنے سعادت مند ہوتے ہیں وہ لوگ جو ہر دم محبوب کے ذکر میں کھوئے رہتے ہیں اور کتنی مقدس ہوتی ہے ان لوگوں کی نسبت جنکی زندگی کا لمحہ لمحہ دوست کی یاد میں کٹتا ہے۔ وہ بڑا کامیاب و کامران ہوتا ہے جسکا محبوب بے مہر نہ ہو۔ مومن کے بخت کا کیا کہنا، اسے تو ہر دم عدم سے وجود اپنی اس صدائے دلنواز سے مسحور کر رہا ہے۔ "اذکرکم" ایک محبّ صادق سے کسی نے کہا کہ تم بیمار ہو کیا تمہارے لئے طبیب نہ بلایا جائے، وہ کہنے لگا" طبیبی ذکر حبیبی "میرا طبیب تو صرف میرے حبیب کا ذکر ہی ہے۔

سرکار مدینہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"خدا کا ذکر یوں کرو کہ لوگ تجھ کو مجنون کہنے لگ جائیں"۔ (مفہوم)

کبھی فرماتے ہیں" وہ لوگ جنکی زبان ذکر خدا سے تر رہتی ہے جنت میں ہنستے ہوئے داخل ہونگے"۔

ایک حدیث شریف میں حضور ﷺ نے ذکر اللہ کیلئے قائم ہونیوالے حلقوں کو جنت کے باغات قرار دیا ہے۔

کتنی لذت اور مٹھاس ہے اللہ کے نام میں کہ جب کسی سینے میں اتر جاتا ہے تو پھر غیر کو داخل نہیں ہونے دیتا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

هجرت الخلق وطرافی هواك

و اهتمت العیال لکی راك

ولو قطعت ادبائم ادبالما

حسن الفواء الی سواك

"میں نے تیری محبت کی خاطر تمام مخلوق کو چھوڑا اور تیرے دیدار کے لئے عیال کا غم اٹھایا۔ میرے جسم کا ایک ایک عضو بھی الگ کر دیا جائے تو بھی میرا دل تیرے سوا کہیں اور متوجہ نہیں ہوگا"۔

محبوب کی باتیں جتنی کی جائیں کم ہیں۔ ان کی وصف وثنا کا کوئی بھی انداز اختیار کیا جائے، اس کے حسن کا بیان ممکن نہیں۔ حبیب دوست نے بھی تو ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

لا امصا ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك

"میں تیری تعریف ایسے نہیں کر سکتا جیسے کہ تو نے خود کی"۔

ذکر اللہ میں خود سپردگی کا وہ مقام جب جان و دل اور جگر و رواں میں یاد محبوب سرایت کر جاتی ہے۔ پریشانیاں خود بخود ختم ہونے لگ جاتی ہیں۔ اضطراب کی بدلیاں خود بخود چھٹ جاتی ہیں اور بندۂ مومن اطمینان اور سکون کی اقلیم میں شہنشاہ دکھائی دینے لگتا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ (رعد:۲۸)

"خبردار اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ہوتا ہے"۔

اللہ جل شانہٗ کے نام میں کتنی تاثیر ہے، اس اسم عظیم میں کتنی قوتیں جلوہ گر ہیں، اس پاک نام سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔

یہ رس بھرا کلمہ اسرار و رموز کے کتنے خزانے لئے ہوئے ہے، اندازہ لگایئے، حضرت سعد بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ کیا تمہیں اللہ جل شانہٗ کا وہ اسم اعظم نہ بتادوں جسکی وجہ سے دعائیں قبول ہوتی ہیں، حاجتیں پوری کی جاتی ہیں، پھر آپ ﷺ نے وہ دعا پڑھی جس کی وجہ سے حضرت یونس علیہ سلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی تھی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء:۸۷)

"کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے تیرے، پاک ہے تو بے شک میں اندھیروں میں ڈوب جانے والوں میں سے ہوں"۔

صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ ذکر صرف حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے ہے یا عام مومنوں کے لئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا (یعنی سب مومنوں کے لئے)۔

وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (الانبیاء:۸۸)

"اور انہیں غم سے نجات بخشی اور ایسے ہی ہم ایمان والوں کو نجات بخشتے ہیں"۔

یہ اللہ رب العزت کا پاک نام ہی ہے جسے ورد حیات بنانے ہی سے کامیابی اور کامرانی حاصل کی جا سکتی ہے اور طہارت نفوس، تزکیہ قلوب، نظافت و پاکیزگی روح اور بالیدگیِ افکار کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (الاعلیٰ:۱۴،۱۵)

"بے شک کامیابی اُس نے پائی جس نے تزکیہ کیا اور اپنے ربّ کے نام کو یاد کیا پھر اُس نے نماز قائم کی"۔

قیامت کے دن نجات کا دارومدار جن امور پر ہے ان میں ذکر اللہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

بخاری شریف کی آخری حدیث ہے:

"حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ" دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ رب العزت کو از حد محبوب ہیں۔ زبان پر تو وہ ہلکے محسوس ہوتے ہیں لیکن میزان پر بہت بھاری ہوں گے"۔ (اور وہ یہ ہیں)

سبحان اللہ و بحمدہٖ

سبحان اللہ العظیم

خلوص اور محبت میں ڈوب کر ایک بار بھی اللہ رب العزت کا اسم گرامی زبان پر لانے سے رحمتوں کی پھوار برستی ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے بندے پر اتنی کرم نوازی فرماتے ہیں کہ مادی آنکھ سے اس کا ادراک محال ہے۔

رسالت مآب ﷺ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے۔ دفعتاً آپ کی نگاہ ایک اعرابی پر جا پڑی جو مستانہ وار ڈوب ڈوب کر اپنے محبوب رب کو یا ''کریم یا کریم'' کے الفاظ سے یاد کر رہا تھا۔ آپ ﷺ کو اس کی یہ ادا اتنی پسند آئی آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور ''یا کریم یا کریم'' فرمانے لگے۔ اعرابی نے حضور ﷺ کو مخاطب کیا اور کہا اے شخص! مجھے میرے حال پر چھوڑ دے وگرنہ میں اپنے حبیب محمد ﷺ سے جا کر شکایت لگاؤں گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

محمد ﷺ اللہ کا رسول تو میں ہی ہوں۔ اعرابی شخص پھولے نہ سمایا اور جھک کر سلامی دینا چاہی۔ حضور ﷺ نے فوراً اسے پکڑا اور کہا کہ یہ فعل میری شریعت میں حرام ہے۔ اتنے میں جبرائیل علیہ سلام آئے اور حضور ﷺ سے کہا اس شخص کو بشارت سنا دیجئے کہ اللہ رب العزت اسے سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ قیامت کے دن حساب ہوگا۔ اعرابی حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ ان سے کہہ دو کہ آخرت کے دن حساب ہوگا، اللہ میرا حساب لے گا اور میں اس کا حساب لے لوں گا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تو گناہوں کا حساب لے گا اور تو اللہ کا حساب کیسے لے گا۔ اعرابی کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ وہ میرے گناہوں کا حساب لے گا اور میں اس کی بخشش کا حساب کرتا جاؤں گا۔

یہ سن کر حضور ﷺ اتنا روئے کہ ریش مبارک تر ہوگئی، یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے جبرائیل امین کو بھیجا کہ محمد ﷺ سے کہو کہ رونا بس کر دو تمہارے رونے کی وجہ سے عرش اٹھانے والے فرشتے تسبیح بھول گئے ہیں۔

درُود شریف

تصویر کے جس طرح دو رُخ ہوتے ہیں، اسی طرح انسانی محبتیں بھی دو جہتی واقع ہوئی ہیں۔ کبھی انسان اپنے مالک سے محبت کرتا ہے، اسی کو چاہتا ہے، اسی کے لئے زندہ رہتا ہے، اسی کے لئے موت جیسی وحشت افزاء حقیقت کو راحت آفریں تصور کرتا ہے اور کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ آئینہ دل پر کبھی غفلت کی غبار پڑ جائے اور چشم تیز بین سے خواہشاتِ فاسدہ بصارت و بصیرت چھین لیں تو حقیقت، حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ جمال، جمال نظر نہیں آتا اور نور، نور دکھائی نہیں دیتا۔ پھر انسان گوہر ہائے تابدار کی بجائے خزف ریزوں پر جان نچھاور کرنے لگ جاتا ہے۔ میدانِ محبت میں جب انسان پھسلتا ہے تو مخلوق ہی کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ سفلی خواہشات اور شہوات اسے ہلاک کر کے رکھ دیتی ہیں۔ شاید چاہت و ربط کا یہ سلسلہ بھی محبت کہلاتا ہوگا، لیکن ایک اصل ہے دوسری نقل، ایک حقیقت ہے دوسری افسانہ، ایک محبوب ہے دوسری مقبوح۔

محبت حقیقی ہو یا مجازی یاد محبوب اور تذکار محبوب ہر دور میں مشترکہ عنصر ہے۔ جہاں یاد نہ ہو، درد نہ ہو، ذکر نہ ہو، محبت نہیں ہوتی۔ وہ لوگ جنہیں دعویٰ ہو کہ وہ حضور ﷺ سے محبت رکھتے ہیں انہیں چاہئے کہ آپ ﷺ کو یاد کریں ان پر درود بھیجیں آخر اس حقیقت سے کسے انکار ہوگا کہ حضور ﷺ پر درود پڑھنا خدا کی سنتِ محبوب ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب:۵۶)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان لانے والو! تم بھی ان پر خوب اور خوب درود و سلام بھیجو"۔

پاکیزہ ماحول پاکیزہ انسانوں کو جنم دیتا ہے اور طہارت جو انسان اچھا ماحول پیدا کرتے

ہیں، خوشبو دل و دماغ کو معطر اور بدبو مزاج میں خباثت افزائی کرتی ہے۔ اچھائی سے اچھائی جنم لیتی ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا" مجھ پر درود پڑھا کرو اس لئے کہ مجھ پر درود بھیجنا تمہارے دلوں کو نفاق سے ایسا صاف کرے گا جیسا کہ پانی گندے کپڑے کو صاف کر دیتا ہے"۔

محبت رکھنے والے لوگوں کے لئے وصلِ محبوب سے بڑھ کر کوئی اور دولت نہیں ہوتی۔ وہ لوگ جو شوق سے اپنے پیارے نبی ﷺ پر درود بھیجتے رہتے ہیں آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اولی الناس بی یو م القیامۃ اکثرھم علی الصلوۃ (ترمذی)

"قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے زیادہ مجھ سے قریب تر وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجتا ہے"۔

کہتے ہیں دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے وہ لوگ جو حضور ﷺ پر محبت سے درود پڑھتے ہیں وہ اللہ سے بھی قریب ہو جاتے ہیں اور اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا" جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا، دس خطائیں معاف کرے گا اور اسی طرح دس درجے بلند کرے گا"۔

وہ لوگ جو حضور ﷺ کا اسم گرامی آنے پر درود و سلام نہیں پڑھتے۔ آپ ﷺ نے انہیں سب سے بڑا بخیل قرار دیا اور وہ لوگ جو دم بدم اپنی زبان درود شریف سے تر رکھیں انہیں شفاعت جیسی دولت کی بشارت سنائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ پر بے شمار اور لامحدود درود بھیجے اور ہمیں بھی اپنی رحمتوں سے وافر حصہ عطا فرمائے۔

اللھم صل علی سید نا و حبیبنا و شفعینا محمد وعلی آلہ و بارک وسلم علیہ

☆☆☆☆☆

اکل حلال کا اکتساب

اچھی خوراک اچھا اثر رکھتی ہے اور اچھی زمین اچھی فصل دیتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ شہد کھانا صحت افزا اور لذت آراء ہوتا ہے اور زہر استعمال کرنا ہلاکت آفرین ہوتا ہے۔ کھانوں اور دیگر اشیائے استعمال کا طیب اور پاکیزہ ہونا ظاہری طور پر تو ہر آدمی مرغوب رکھتا ہے۔ لیکن اس کے روحانی اور باطنی اثرات کا ہر کوئی لحاظ نہیں رکھتا۔

اکل حلال اور کسبِ حلال عبادت ہے اتنی ہی ضروری جتنا کہ نماز کے لئے وضو ضروری ہوتا ہے اور روزہ کے لئے بھوکا پیاسا رہنا۔ قرآن حکیم میں بارہا رب قدوس نے ''حلال'' اور ''طیب'' رزق کے استعمال کی ترغیب دلائی ہے اور رزق حرام کے استعمال پر وعیدیں سنائیں ہیں۔

سورۃ البقرہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا (البقرہ:۱۶۸)

''اے لوگو! کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے، وہ جو حلال اور پاکیزہ ہو''۔

سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا (المائدہ:۸۸)

''اور کھاؤ اس سے جو حلال اور پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں''۔

رزق کا حلال ہونا ایک تو وضع کے اعتبار سے ہے اور دوسرا کیف اور استعمال کے لحاظ سے۔ اول الذکر صورت میں رزق کے حلال ہونے سے مراد کسی چیز یا مال کا شریعت میں جائز ہونا ہے جیسے مینڈھے اور بکری کا گوشت حلال ہے اور خنزیر کا حرام، اسی طرح شربت حلال ہے اور شراب حرام اور دوسری صورت میں رزق کے حلال ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ جائز راستے سے حاصل کیا گیا ہو جیسے بکری کا گوشت کھانا حلال ہے لیکن بیگانی بکریاں چوری کر کے کھائی جائیں تو یہ صورت حرمت کی بن جائے گی۔

رشوت کا مال، چوری کا سامان اور کالے دھندوں کی کمائی اسی راہ پر حرام ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اکل حلال کے منافی کتنی ہی صورتیں رائج ہیں جن سے حرام مال کمایا اور کھایا جاتا ہے۔ ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، دھوکہ دہی، رشوت ستانی، سودی کاروبار، خیانت، چوری، ڈکیتی، ناجائز کمیشن گیری، منصبی بھتے، زائد از ضرورت گداگری، کام چوری کے محاصل، اموال کی غیر عادلانہ تقسیم، جبری انعام خواہی کی مختلف صورتیں، حق خواہیوں کی عدم ادائیگیاں، مکروہانہ مزدوریوں سے حاصل کی گئی رقوم، تقسیم وراثت کے عمل کو روکنے کے لئے حیلے بہانے، بولی، لاٹری اور فحاشی کے راستوں سے حاصل کئے گئے اموال، ساری ہی وہ صورتیں ہیں، جن میں کمایا گیا مال درست نہیں ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت بیضا نے ایسی مدات سے حاصل کردہ اموال کو حرام ٹھہرایا اور ان کے استعمال سے منع فرمایا۔

☆☆☆☆☆

حقوق کی ادائیگی

زندگی ایک دوسرے سے مل جل کر رہنے کا نام ہے۔ انسان چونکہ معاشرتی تعلقات اور روابط سے حد درجہ بڑھ کر انس رکھتا ہے، اسی اعتبار سے اسے انسان کہا جاتا ہے۔ انسانی تعلقات کی بہت سی نوعیتیں ہیں، کبھی وہ خالق کے سامنے دامنِ طلب دراز کیے ہوتا ہے اور کبھی وہ کائنات میں حاکم کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان دوسرے انسان سے کئی ایک رشتوں میں پیوستہ ہوتا ہے، کبھی باپ کی حیثیت میں، کبھی بیٹا ہونے کے لحاظ سے اور کبھی بھائی ہونے کے ناطے۔ اس طرح ہر رشتہ، ہر ناطہ اور ہر تعلق انسانی کندھوں پر ذمہ داریوں کا ایک بوجھ ڈالتا ہے۔ شریعت کی زبان میں انہی کو ''حقوق'' کہا جاتا ہے۔

حقوق کی دو قسمیں ہوتی ہیں: حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ جہاں تک حقوق باری تعالیٰ کا تعلق ہے تو ان کی وضاحت حضور ﷺ کی اس حدیث میں پوری طرح موجود ہے۔

حضرت معاذ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور رسول کریم ﷺ ایک ہی سواری پر یوں بیٹھے تھے کہ میرے اور آپ کے درمیان لکڑی کے کجاوے کے بغیر کوئی دوسری چیز حائل نہیں تھی۔ دفعتاً آپ نے مجھے آواز دی میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ خادم حاضر ہے''، لیکن آپ خاموش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یوں ہی فرمایا اور پھر ارشاد فرمانے لگے، ''معاذ! تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟'' میں نے عرض کیا یارسول اللہ، اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں''۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''یہ کہ عبادت صرف اسی (اللہ) کی کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے''۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ پوچھا ''معاذ''! تم جانتے ہو کہ اللہ پر بندوں کا حق کیا ہے؟''۔

میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ''اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں''۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر وہ یہ کرلیں یعنی عبادت صرف اللہ کی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں تو اللہ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا''۔

محولہ بالا حدیث شریفہ میں عبادت کے وسیع تر مفہوم کو اگر زندگی پر چسپاں کیا جائے تو ہر قول و فعل کو اللہ کی رضا کے مطابق ڈھالنا حقوق اللہ ہے۔ اسی طرح حقوق العباد دراصل اللہ رب العزت کی شریعت مطہرہ کے وہ تقاضے ہیں جو ایک بندہ دوسرے بندوں کے ساتھ روا رکھنے کا پابند ہے۔ ظاہر ہے یہاں حسن سلوک کے حوالے سے یہ عبادت زندگی کی طرح بے پناہ پہنائی رکھتی ہے۔

قرآنی زبان میں اس کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کی جاتی ہے۔

حاجت مندوں کے حقوق متعین کرتے ہوئے اللہ سبحانہٗ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ

(معارج: ۲۴، ۲۵)

''اور وہ لوگ جن کے مالوں میں حق مقرر ہوتا ہے، سوال کرنے والوں اور محروم لوگوں کے لیے''۔

ایک اور مقام پر قرآن حکیم نے کس اچھوتے انداز میں معاشرتی حقوق ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا:

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (البقرہ: ۲۱۵)

''فرمادیں آپ کہ جو مال بھی تم خرچ کرنا چاہو تو وہ حق ہے ماں باپ کا اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا اور تم جو بھی نیکی کرتے ہو تو یقیناً اللہ اُس کا خوب علم رکھنے والا ہوتا ہے''۔

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا

''اور قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اور فضول خرچی میں مال برباد نہ کرو''۔ (بنی اسرائیل:۲۶)

حقوق العباد کی مزید وضاحت رسول کریم ﷺ نے اپنی احادیث میں فرمائی:

بخاری شریف میں ہے کہ رسول انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان لزوجك عليك حقا و لزورك عليك حقا

(بخاری شریف)

''بے شک تجھ پر تیرے جوڑے اور ملاقاتی کا حق ہے''۔

اسی طرح حضور ﷺ نے اپنی ذات کے حقوق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فان لنفسك عليك حقا

''تیری جان کا بھی تجھ پر حق ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کی شریعت مطہرہ کا یہ خاص صلہ ہے کہ اس میں حقوق صرف بندوں ہی کے نہیں متعین کئے گئے بلکہ اس دائرہ کو جمادات، نباتات اور حیوانات تک بھی پھیلا دیا۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا'' جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے تو جو پرندے، جانور اور انسان اس کا پھل کھاتے ہیں اس کا ثواب پھل لگانے والے کو ملتا ہے''۔

اس ایک حدیث میں خوبصورتی کے ساتھ نباتات، حیوانات اور انسانوں کے حقوق حضور ﷺ نے بیان فرمائے۔

☆☆☆☆☆

توبہ اور طلب مغفرت

اس جولانگاہ حیات میں انسان بے دشمن پیدا نہیں کیا گیا۔ اس کے مزاج اور فطرت میں دنیا کی محبت کسی حد تک رکھی گئی ہے۔ شیطان ہر وقت اسے جادۂ حق سے ورغلانے کی سعی اور کوشش کرتا رہتا ہے۔ نفس امارہ بھی امور گناہ کو حسین بنا بنا کر پیش کرتا رہتا ہے۔ طبعی اور بشری کمزوریاں مثلاً غصہ اور انتقام کا جذبہ صحیح خطوط پر نہ سوچنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ ان حالات میں گناہ، لغزش اور خطا کا صدور ناممکن نہیں رہتا۔

گناہ صادر ہو جائے تو انسان کے لئے دو ہی راستے ہوتے ہیں: ایک یہ کہ وہ خطاؤں اور لغزشوں کی پگڈنڈیوں پر الجھتا چلا جائے اور دوسرا یہ کہ وہ غلطیوں اور امور گناہ سے باز رہے اور اپنے کردار کی تعمیر اور تشکیل کے لئے مخلصانہ کوشش کرے۔

اسلام دین فطرت ہے اس نے گناہ کو اگرچہ پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا بلکہ ممکنہ حد تک اس کی حوصلہ شکنی کی ہے لیکن ساتھ ہی وہ لوگ جو اخلاص اور صحت نیت کے ساتھ تعمیر سیرت کی کوشش کریں ان کے لئے توبہ کے دروازے کھلے رکھے ہیں۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانعام: ۵۴)

"تمہارے پروردگار نے نزولِ رحمت کی ذمہ داری لے لی ہے، یقین رکھیے تم میں سے جس نے بے سمجھی کے ساتھ بُرائی کر دی پھر اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح بھی کی تو یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

غلطیوں کا ارتکاب کبھی رغبت سے ہوتا ہے اور کبھی بے رغبتی سے۔ ایسے گناہ اور خطائیں جن میں انسانی نیت اور رغبت کا دخل نہ ہو اس کے معاف ہو جانے کی تو قوی امید ہوتی ہے اور ایسے گناہ جن پر ارادہ اور رغبت بھی شامل ہو، اگر ان پر سچے دل سے توبہ کر لی جائے اور سرزد

ہونے والے اعمال پر ندامت اور پشیمانی بھی حاصل ہو جائے تو ان کی بخشش سے بھی ناامیدی درست نہیں ہوتی بلکہ مغفرت کا کامل یقین ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر:۵۳)

"فرما دیں اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اُوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ سارے گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

ایک شخص مشرق کی طرف جا رہا ہو غلطی سے اس کا رخ مغرب کو ہو جائے اسے کوئی احساس دلائے کہ تمہاری منزل مشرق ہے اور تم جا مغرب کی طرف رہے ہو تو اس شخص کی توبہ یہی ہے کہ مغرب کو چھوڑ کر مشرق کی طرف چل پڑے وگرنہ بصورت دیگر کہ زبان سے تو اقرار کرتا رہے اور قدموں سے غلط سمت ہی بڑھتا رہے تو ایسے شخص کو توبہ کا وظیفہ کام نہیں دے گا۔ بعینہ وہ لوگ جو زبان سے تو توبہ توبہ کرتے رہتے ہیں لیکن غلطیوں کے ارتکاب سے عملاً باز نہیں آتے۔ اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ کسی عمل سے توبہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اصلاح کی کوشش بھی کی جائے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النحل:۱۱۹)

"پھر بے شک تیرا ربّ اُن لوگوں کے لیے جو جہالت سے بُرا کام کر بیٹھیں پھر بعد ازاں توبہ کر لیں اور اپنے آپ کو درست بھی کریں تو یقیناً آپ کا ربّ اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے"۔

نفس کو گناہ پر ڈھیٹ ہونے سے مجتنب رکھنا اور اس کوشش میں رہنا کہ اعمال کی اصلاح ہوتی رہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی رحمت حاصل کرنے کے لئے بہترین وسیلہ ہے۔

وہ لوگ جو اخلاص سے اس کارحیات میں اپنے محبوب رب کو راضی رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، خدا انہیں نہ صرف معاف فرما دیتا ہے بلکہ ان کی لغزشوں کو حسنات سے بدل دیتا ہے۔

توبہ کے لئے اگرچہ اتنا ہی کافی ہے کہ انسان مخلص ہو کر خداوند قدوس کی بارگاہ میں رجوع کرے، تاہم زمان و مکاں کی بعض قیود و حدود ایسی ہیں جہاں رب غفور الرحیم اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے زیادہ نوازتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں اللہ نے اپنے اپنے نفوس پر ظلم کر بیٹھنے والوں کو حضور ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النسآء:۶۴)

"اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو (حبیب) وہ آپ کے پاس حاضری دیں اس کے بعد اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کے لئے طلبِ مغفرت کریں تو ضرور وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان پائیں گے"۔

توبہ کا یہ عمل کس قدر اللہ جل شانہ کے نزدیک محبوب ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ رسالت مآب ﷺ معصوم ہونے کے باوجود ہر روز اللہ تعالیٰ سے ستر بار سے زیادہ معافی کے خواستگار ہوتے۔ (بخاری شریف)

توبہ کی فضیلت ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے ایک مثال کے ذریعے اس طرح بیان فرمائی "کہ ایک شخص کا اگر سامان سے لدا ہوا اونٹ گم ہو جائے، بالکل مایوس ہو جانے کے بعد اگر اسے دوبارہ مل جائے تو وہ اتنا خوش ہو کہ رب کو بندہ اور اپنے آپ کو رب کہنے لگے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس شخص سے بھی کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے"۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ابن آدم کو اگر وادی بھر سونا بھی مل جائے تو یہ دو وادیاں پسند کرے گا، اس کے منہ کو سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں پر ضرور رجوع رحمت فرماتا ہے"۔

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا

اچھا ہونا اچھی خصلتیں اور اچھی عادات ہونے کی بنا پر ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنا من خالق کے سامنے اور تن مخلوق کی خدمت کے لئے مصروف رکھتے ہیں۔ حقیقت میں عزت و اکرام اور شرف و فضیلت انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔

حضور ﷺ کے غلاموں کو خیر الامہ سے اسی لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ خیر کی طرف دعوت دینے والے ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ معروف پھیلے اور منکر ختم ہو۔

قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (حم السجدہ:۳۳)

''اُس شخص سے کون زیادہ حسین ہوسکتا ہے جس کی باتوں میں ہمیشہ دعوت الی اللہ ہو اور اُس نے اچھا عمل کیا اور کہا بے شک میں مسلمانوں سے ہوں''۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری امت جب دنیا کو بڑا سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت ان کے دلوں میں سے نکل جائے گی اور جب وہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا چھوڑ دیں گے تو انہیں وحی کی برکت سے محروم کر دیا جائے گا اور جب وہ آپس میں گالیاں دیں گے تو وہ اللہ جل شانہٗ کی نگاہ سے گر جائیں گے''۔

ایک حدیث میں رسول انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نیک باتوں کا حکم دو اور برائی سے منع کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت آجائے کہ تم دعا کرو اور میں قبول نہ کروں، تم سوال کرو اور میں اسے پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں''۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاتزال لااله الاالله تنفع من قالهاوتردعنهم العذاب و النعمة مالم يستخفوابحقها قالو يا رسول الله ماا لاستخفاف بحقها قال يظهر العمل بمعاصى الله فلا ينكر و لا يغير

"لاالہ الااللہ اپنے پڑھنے والوں کو ہمیشہ فائدہ دیتا رہے گا اور ان سے عذاب اور ذلت دور کرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ اس کے حقوق سے بے پرواہی نہ برتیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ان کے حقوق سے لاپرواہی کیا ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ کی نافرمانی کے اعمال ظاہر ہوں گے لیکن کوئی روکنے والا اور بدلنے والا نہ ہوگا"۔

انسانیت اس وقت جہالت کی انتہا تک پہنچ چکی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان احیائے اسلام کے لئے دعوت کا اہتمام کریں اور بھٹکتی پھسلتی آدمیت کو اسلام کی نعمت سے بہرور کریں۔ آج حالات حضور ﷺ کی ایک مبارک حدیث کے مطابق یہاں پہنچ چکے ہیں کہ اسلام کا صرف نام ہی نام بچ گیا ہے اور قرآن حکیم کے نقوش ہی نقوش رہ گئے ہیں۔

آپ ﷺ کے ارشاد گرامی کے الفاظ کچھ یوں ہی ہیں۔

سیاتی علی الناس زمان لا یبقی من الا اسلام الااسمه ولا من القرآن الارسمه

(مشکوٰۃ شریف)

"لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف نقوش باقی رہ جائیں گے"۔

ان حالات میں وہ لوگ جو دینی درد رکھنے والے ہیں ان کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں ہیں،

ان کی وہ سعی جو احیائے دین کے لئے ہو نفلی عبادت سے افضل ہے۔ دین دار طبقہ کا یہ فرض ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو گندگیوں اور برائیوں سے صاف کرنے اور اسلام جو انسانیت کا اصل نور ہے اس سے آگاہ کرے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

جہاد فی سبیل اللہ

جہاد اسلامی زندگی کا وہ اہم رکن ہے جس کے بغیر اسلامی افکار و اعمال کی عمارت کسی بھی صورت مکمل نہیں ہوتی۔ ایک حدیث شریف میں رسول اکرم ﷺ نے ایمان کے بعد جہاد ہی کو سب سے افضل قرار دیا۔

جہاد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں سب سے زیادہ اعادہ اور تکرار کے ساتھ جس حکم کو لایا گیا وہ جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے۔ اسلام کے تصور جہاد سے بہت سے لوگ غلط نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں، لیکن سوچا جائے تو جہاد کسی ایسے عمل کا نام نہیں جس سے انسانی اقدار کا تقدس پائمال ہوتا ہو اور تاریخ میں جور و جفا کی داستانیں قائم کی جاتی ہوں۔ جہاد کا اسلامی تصور اگر کوئی آسان الفاظ میں سمجھنا چاہے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ "اگر ایک آدمی مصر ہو کہ وہ زہر ضرور پئے گا تو ایسے شخص کے ہاتھ سے جبر کے ساتھ پیالہ زہر چھین لینا اس پر ظلم نہیں ہوتا بلکہ حد درجہ ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے"۔ بس جہاد ہی ہے کہ انسانیت کے لئے جو اعمال و افعال مضر ہوں ان سے لوگوں کو باز رکھنے کے لئے پہلی سطح پر محبت اور دوسری سطح پر طاقت اور قوت استعمال کی جائے۔

جہاد اصل میں جہد سے ماخوذ ہے اس کا مطلب اگر ایک طرف تکلیف اور مشقت ہوتا ہے تو دوسری طرف کسی کام کو اس کی انتہا تک پہنچانا بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح جہد کا ایک معنی وسعت سے بھی لیا جاتا ہے، پس جہاد کیا ہے؟ یہی کہ تعمیر انسانی کے خدائی لائحہ عمل کی تکمیل کرنے کے لئے اپنی انتہائی کوشش بجالائی جائے۔ اسلامی جہاد کے اسی وسیع تر مفہوم کی وجہ سے اس کی صورتیں مختلف ہیں۔ قلم، مال اور جان سب ہی سے جہاد فی سبیل اللہ کیا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن حکیم نے جب بھی جہاد کا لفظ استعمال کیا ہے فی سبیل اللہ کی قید کے ساتھ کیا ہے جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ کوشش و سعی اور تگ و جہد کی منزل بہر حال اللہ کے قانون کا غلبہ ہونا

چاہیے۔

قرآن حکیم میں اللہ جل شانہ نے جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ (البقرہ:۲۱۸)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو ایسے ہی لوگ اُمید رکھ سکتے ہیں اللہ کی رحمت کی"۔

سورۂ توبہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (التوبہ:۲۰)

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اللہ کے نزدیک اُن کا درجہ بہت بڑا ہے اور یہی لوگ کامیابی سے ہمکنار ہونے والے ہیں"۔

مجاہدین کی فضیلت قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی:

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾ (النسآء:۹۵،۹۶)

مومنوں میں سے عذر کے بغیر بیٹھے رہنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے، اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے مجاہدین کو بیٹھنے والوں پر درجہ میں فضیلت بخشی ہے

اگر چہ سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے البتہ مجاہدین کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم دے کر فضیلت بخشی ہے، درجات سارے تو اسی کی طرف سے ہیں اور بخشش اور بے پایاں رحمت ہے اور اللہ بخشش والا بے حد مہربان ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ایسے ہے جیسے دن کا روزہ دار اور رات کو آیات الٰہیہ کی تلاوت کرنے والا ہو۔ نمازی اور روزہ دار ایسا کہ تھکنے کا نام نہ لے"۔

حضرت سہل بن سعد ؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما علیھا

"اللہ کی راہ میں ایک دن گھوڑا باندھنا دنیا اور جو دنیا پر ہے اس سے بہتر ہے"۔

رباط کے مفہوم میں جہاد کے لئے گاڑیوں سے لے کر ٹینکوں تک سبھی آلات کے ساتھ تیاری کرنا مراد لیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو عین ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما اغبرت قدما عبد فی سبیل اللہ فلمسہ النار

(رواہ البخاری)

"ایسے نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی کے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود بھی ہوں اور پھر انہیں دوزخ کی آگ بھی چھوئے"۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص اس حالت میں مرا کہ نہ تو جہاد کیا اور نہ ہی اس کا دل میں خیال کیا تو یوں سمجھو کہ وہ نفاق کے ایک حصہ پر فوت ہوا"۔

حضرت ابن عائذ ؓ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ ایک جنازے کے لئے تشریف لے گئے جب جنازہ رکھا گیا تو

حضرت امیر المومنین عمرؓ عرض کرنے لگے یارسول اللہ! یہ شخص فاجر تھا اس پر نماز نہ پڑھے گا۔ آپ ﷺ نے عام لوگوں کی طرف توجہ فرمائی اور پوچھا کہ تم میں سے کسی شخص نے اس کے اندر کوئی اسلامی عمل بھی دیکھا۔ ایک شخص نے عرض کیا ''ہاں'' یارسول اللہ ﷺ اس نے ایک رات اللہ کی راہ میں پہرہ دیا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر اس پر نماز جنازہ پڑھی، خود دفنایا اور ارشاد فرمانے لگے: ''تمہارے ساتھی تو تیرے دوزخی ہونے کا گمان کر رہے تھے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے''۔

ایک دوسری حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ ایک عمل سے جنت میں سو درجے عطا فرمائیں گے جبکہ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ وہ کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا:

جہاد فی سبیل اللہ

جہاد فی سبیل اللہ

جہاد فی سبیل اللہ

☆☆☆☆☆

اقامت دین وحق

یہ بات ہر لحاظ سے طے شدہ ہے کہ انسان اپنی معاشی اور طبعی ضروریات اور احتیاجات کے لئے جس طرح قوانین فطرت کا پابند ہے۔ بالکل اسی طرح وہ اپنے روحانی اور ذہنی سکون اور اطمینان کے لئے الہامی رہنمائی کا محتاج ہے۔ انسانی زندگی کے سارے ہنگامے نور خیز اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ انسانیت کے قوانین عدل وفطرت کی معرفت کے لئے صراط مستقیم کا سراغ لگالیں۔

''معرفت حق'' کے اسی اہم کام کو انسانوں کے لئے آسان تر کرنے کے لئے اللہ رب العزت انبیائے کرام مبعوث فرماتا ہے جن کا بنیادی کام ہی بگاڑ اور فساد کو ختم کرنا ہوتا ہے اور اس اہم مقصد کی تکمیل کے لئے ان کی ساری کوشش یہی ہوتی ہے کہ خدا کا نظام عدل قائم ہو جائے۔ انبیائے کرام کے اس اہم نصب العین کی طرف قرآن حکیم ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرماتا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

(المائدہ:۶۸)

''فرما دیجئے! اے اہل کتاب تم کچھ نہ پاسکو گے جب تک کہ تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو''۔

انبیاء کے سردار خاتم المرسلین علیہ السلام نے بھی اپنی امت کے سامنے زندگی کا نصب العین ''اقامت دین'' ہی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ

(الشوریٰ:۱۳)

''اُس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی وصیت اُس نے نوح کو کی

تھی اور وہ جسے ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اور وہی جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ قائم رہو پوری طرح سارے کے سارے دین پر اور اس میں بکھر جانے سے بچنا"۔

اب رہی یہ بات کہ اقامت دین ہے کیا؟ امام راغب اصفہانی المفردات فی غریب القرآن میں لکھتے ہیں کہ "اقامۃ الشئی لومنہ حقہ" کسی چیز کے حقوق پوری طرح ادا کرنا اقامت کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے اقامت دین کا مفہوم یہ ہوگا کہ دین کے حقوق پورے اور پوری طرح ادا کئے جائیں اور دین کا حق ادا کرنے کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ بندگی کا نظام جو رسول اللہ ﷺ نے عنایت فرمایا، زندگی کے ہر شعبہ میں اس پر عمل بجالایا جائے۔ اگر زندگی کا کوئی ایسا شعبہ ہو جس میں "دین اللہ" کو انسانوں نے معطل کر دیا ہو تو اُمت مصطفیٰ کا یہ اولین فریضہ ہے کہ وہاں دین کو قائم کرے یعنی اتنی محنت اور سعی کی جائے کہ دین کا سکہ رواں ہو جائے۔

من حیث الجماعت مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے نصب العین سے آگاہی حاصل کریں اور ملی اور مذہبی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے میں تساہل نہ برتیں۔ مقصد کا حصول ہمیشہ قربانی چاہتا ہے اور قربانی نام ہے اجتماعی مفاد کو ذاتی نقصانات پر ترجیح دینے کا۔ بدی کا سیلاب روکنے کے لئے ہمیشہ مضبوط ہاتھوں کی ضرورت ہوتی ہے اگر یہ کام حضور ﷺ نے اپنے غلاموں کے سپرد کر دیا ہے تو پھر دینی اصولوں پر گہرے یقین اور مقصد کے ساتھ انتہائی عشق کے ساتھ غلامان مصطفےٰ ﷺ کو اقامت دین کے لئے میدان عمل میں کود جانا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

اتباعِ سنت

محبت اطاعت کے بغیر نفع بخش نہیں ہوتی اور اطاعت محبت کے بغیر کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات سے محبت رکھنے والے لوگ آپ کی اطاعت اور اتباع کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تصور کرتے رہے۔ دراصل نقل کرنا اور کسی نمونہ کو دیکھ کر اپنی زندگی میں تبدیلی اور انقلاب پیدا کرنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور انسانوں کی اس بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ جل جلالہٗ نے عموماً انبیائے کرام مبعوث فرمائے اور بالآخر رسالت مآب ﷺ کے سر اقدس پر ختمیتِ نبوت کا تاج رکھ کر آپ کو انسانی رہنمائی کی اہم مہم پر مامور فرمایا اور آپ کی اطاعت مطلق کا اعلان قرآن حکیم میں یوں فرمایا:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الحشر:۷)

"جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے وہ منع کریں اس سے رُک جاؤ اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات اطہر کو جن وانس کے لئے کمال نمونہ بنا کر پیش کیا گیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

"بے شک تمہارے لیے بہترین نمونہ اللہ کے رسول ہی کی زندگی میں ہے"۔

یہاں تک کہ حضور ﷺ کے فیصلوں اور احکام کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے کو ایمان کے منافی قرار دیا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النسآء:۶۵)

"سو قسم تیرے پروردگار کی وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے

درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں میں حاکم نہیں مان لیتے پھر یہ کہ وہ اپنے دلوں میں کوئی بے چینی بھی نہ محسوس کریں اس پر جو آپ فیصلہ دیں اور بخوشی وہ اسے تسلیم کرلیں"۔

سیرت رسالت مآب ﷺ کا واجب الاطاعت ہونا قرآن حکیم نے جس قطعی اور اٹل انداز میں بیان فرمایا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب:۳۶)

"کسی ایمان والے مرد اور کسی ایمان والی عورت کے لیے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں فیصلہ فرمادے تو اس کے بعد بھی ان کے لیے اپنے معاملہ میں کچھ اختیار ہو اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی وہ یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا ہوا"۔

قرآن حکیم کے محولہ نظریہ کی تشریح فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی اطاعت ہی کو وثیقہ نجات قرار دیا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ ارشاد فرمانے لگے:

"میری امت کے سارے لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے انکار کرنے والے"۔ آپ سے پوچھا گیا یارسول اللہ ﷺ! انکار کرنے والے لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی گویا کہ اس نے میرا انکار کیا"۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص نے میری سنت کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو چار چیزوں کے

ساتھ اعزاز بخشے گا۔ نیک لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے محبت پیدا فرمادے گا اور بدکار لوگوں کے دل میں ہیبت، رزق میں وسعت اور دین میں پختگی نصیب فرمائے گا"۔

رسول اللہ ﷺ کی سنت شریفہ کے بارے میں امام مالک نے کیا خوب ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ کی سنت کی مثال نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی کی ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ بچ گیا اور جو اس میں نہ آ سکا سو وہ ہلاک ہو گیا۔

امام زہری کا قول ہے سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا نجات ہے۔

وہ لوگ جو حضور ﷺ کا دامن اتباع مضبوطی سے نہیں تھامتے ان کے لئے آپ ﷺ کی اس حدیث میں کتنی عبرتیں ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یو من احد کم حتی یکو ن ھواہ تبعا لما جئت بہ

"تم میں سے ہرگز کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس نظام کے مطابق نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا"۔

اللھم ارزقنا عملا علی سنۃ نبینا الکریم علیہ الصلوۃ و السلام وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین

☆☆☆☆☆

دُعاوطلب

ایک سچے طالب اور محبّ کے لئے وہ گھڑیاں اور ساعتیں بڑی مقدس اور قابل قدر ہوتی ہیں جب اسے اپنے محبوب کی چوکھٹ میسر ہو۔ راہ خدا میں بڑھنے والے ان اوقات کو بہت قیمتی تصور کرتے ہیں جب انہیں اپنے دوست کے سامنے دامن طلب دراز کرنے کا موقع ملتا ہے۔ شریعت کی زبان میں اسی طلب اور جستجو کا نام دعا ہے۔

دامن زندگی اگر کسی وقت مشکلات اور مصائب کے کانٹوں سے الجھ جائے تو چھٹکارے کے لئے خدا کی دستگیری، مشکل کشائی اور فضل و رحمت سے بڑھ کر کوئی موثر وسیلہ نہیں ہوسکتا۔ اس مقام پر طالب اور مطلوب کے درمیان سے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں۔

بندہ عجز اور انکساری کی زبان میں اپنے محبوب و مطلوب ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اسی سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے۔ اس کی دید سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ طلب جوں جوں گہری ہوتی چلی جاتی ہے، اجابتِ محبوب کی اطاعتیں بھی پرجوش ہوکر اطمینان افزا ماحول فراہم کرتی ہیں۔

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرہ:۱۸۶)

''دُعا مانگنے والا جونہی دُعا مانگتا ہے میں اُس کی دُعا قبول کرلیتا ہوں''۔

دعا اور مناجات کو، التجا اور تمنا، تضرع اور گریہ کو اور طلب اور جستجو کو حضور ﷺ نے عبادت کا مغز قرار دیا۔ مستدرک کی ایک روایت کے مطابق دعا آسمانوں اور زمینوں کا نور اور دین کا ستون ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس شیء اکرم علی اللہ من الدعا

''اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا سے زیادہ کوئی دوسری چیز کرامت والی نہیں''۔

حضرت ابن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''دعا ہر صورت میں فائدہ دیتی رہتی ہے ان بلاؤں کے معاملہ میں جو نازل ہوچکی

ہیں اور وہ جو نازل ہونے والی ہیں پس اے اللہ کے بندو! تم ضرور دعا مانگا کرو"۔

(ترمذی شریف)

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" دعا کرنے میں کمزوری نہ برتو اس لئے کہ دعا کی موجودگی میں کوئی شخص ہلاک ہو نہیں سکتا"۔ (ابن حنان)

حضرت ثوبان ؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یرد القدر الا الدعاء

" قضا اور قدر کو دعا کے بغیر کوئی چیز ٹال نہیں سکتی"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سلوا اللہ من فضلہ فان اللہ یحب ان یسال و افضل العبادۃ انتظار الفرج (ترمذی شریف)

" خدا سے اس کا فضل طلب کرتے رہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل ترین عبادت کشائش کا انتظار ہے"۔

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" دعا مومن کا اسلحہ ہے"۔

☆☆☆☆☆

آرزوئے عصر

بے ربط الفاظ کا یہ چھوٹا سا مجموعہ اس وقت اختتام پذیر ہو رہا ہے جبکہ شام کے سائے ڈھل رہے ہیں۔ سورج اپنی تمام تر توانائیوں سمیت پس افق غروب ہو رہا ہے۔ تھکے ماندے انسان بساط کاروبار سمیٹنے کی فکر میں ہیں۔ روشن دن گہری رات کی گود میں دم توڑنے والا ہے اور میرا احساس مجھے انتہائی استغراق کے ساتھ جھنجوڑ رہا ہے کہ عمر برف کی طرح پگھلی جا رہی ہے اور زندگی دوڑتی بھاگتی فنا کے دائروں میں گم ہو رہی ہے اور روح ایک آواز ہو کر، ایک کسک بن کر اپنے رب، اپنے مولا اور اپنے آقا کو پکار رہی ہے۔ میرے ارمانوں اور آرزؤں کی تسکین میرے رب میرے دوست مجھ سے راضی ہو جا، مجھے اپنا بنا لے اور میرا ہو جا۔

میری دعاؤں کا جواب میرے رب کے یہ الفاظ ہیں:

وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣ (العصر: مکمل)

”قسم زمانہ کی، بے شک حق فراموش آدمی ضرور نقصان میں ہے، سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں اور آپس میں ایک دوسرے کو حق پر چلنے کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے“۔

☆☆☆☆☆